سپاس بیقیاس یزدانی کہ ایں کلام لاثانی

الموسوم بہ

کلیات اکبر

از تصنیفات

عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

حصہ اوّل

ایڈیشن پنجم جنوری ۱۹۱۸ء

اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

کلیاتِ اکبر

یعنی

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب

المعروف بہ لسان العصر

پنشنر جج، آنریری فیلو الٰہ آباد یونیورسٹی

حصہ اول

باہتمام بابو بشمبھر ناتھ صاحب بھارگو

اسٹینڈرڈ پریس الہ آباد مین چھپا

طبع پنجم (۵۰۰ جلد)

سنہ ۱۹۱۸ء

قیمت عہ (مع محصول)

اعلان

اس پانچویں ایڈیشن کی جلدیں بھی جو بالکل مطابق چوتھے ایڈیشن کے ہیں بہت کم طبع ہوئی ہیں، شائقین جلد درخواست کریں ورنہ مایوسی ہوگی درخواست خریداری خود حضرت مصنف یا مہتمم کلیات اکبر کے نام عشرت منزل الہ آباد کے پتے پر بنام سید عشرت حسین صاحب مالک کاپی رائٹ ڈپٹی کلکٹر پرتاپگڈھ بھیجی جاوے۔ قیمت عا مع محصول۔ اگر کوئی امر قابل استفسار ہو تو جوابی کارڈ آنا چاہئے۔

کلام اکبر کا دوسرا حصہ بھی تیار ہے۔ اسکی قیمت عہ مع محصول و خرچہ روانگی ہوگی تیسرا حصہ زیر ترتیب ہے۔

یکم جنوری ۱۹۱۸ء

فہرست مضامین

نوٹ ۔ کلیاتِ اکبر کے اکثر ذی علم و باخبر ناظرین نے یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ اس کلیات سے وہ شخص جس نے صرف چند مشہور مضامین کو پڑھ لیا یا کسی خاص نظم کو دیکھ لیا، باخبر نہیں ہو سکتا بجز اسکے کہ وہ کل اشعار بالخصوص صفحہ ۱۹۶-۱۵۷ اور صفحہ ۱۵۶-۱۴۱ کو نہ ملاحظہ کرے کیونکہ اکثر اشعار معنی خیز جابجا متفرق طور پر مندرج ہیں۔

غلط نامہ

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱	۲	ذرّۂ ذرّۂ	ذرّہ ذرّہ	۵۸	۳	بتخانے سے	بتخانے میں
۲۶	۲	تلاش	ملاش	۵۹	۴	نہیں عطا	عطا نہیں
۲۸	۱۶	پھر بھی سالانہ	پھر سالانہ	،،	۱۳	جو خدا	خو خدا
۳۴	۱۳	اُٹھتے	ٹھتے	۶۰	۱۲	منکشف	منکسف
۳۷	۱۳	ہیں گھر	ہے گھر	۶۰	۱۷	طالب	طائب
۴۱	۴	ضرورت	ورت	۶۱	۸	طاقت	طالب
،،	۱۹	مٹے	مٹّے	۶۳	۸	دربار	دریار
۴۲	۱۲	جنوں انگیز	جنوں انگریز	،،	۱۴	ہیں خود	میں خود
۴۳	۴	لغزش	تغزش	،،	،،	مے پیئے	مے پیے
،،	۹	ہر اک	ہر ایک	،،	۱۶	اظہار	اطہار
۴۵	۵	شکر ہے	شکر سے	،،	،،	حد میں شوق	حد شوق
۴۶	۷	مسلمان	سلما	،،	۱۷	ہے اے کلیم	اہے اے کلیم
۴۷	۷	نکہت	نگہت	۶۴	۹	جنوں خیز نگاہیں	جنوں خیرنگاہیں
۴۸	۸	ڈاڑھی	داڑھی	،،	۱۶	جان پہ میری	جان پہ میرے
۵۲	۱۰	ملّت	ملّب	،،	۱۸	ہیں ہوں	میں ہوں
۵۳	۴	اُنگی	اُنلی	۶۸	۷	ہووے	ہوئے
۵۴	۳	نصیحت	نصیحب	۷۰	۷	مقسوم ہی	مقسوم ہے
۵۵	۱۳	پہ	پر	۷۱	۹	خنجر	خجر

غلطنامہ

صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱	۲	ذرّہ ذرّہ ء	ذرّہ ذرّہ
۲۶	۲	تلاش	ملاش
۲۸	۱۶	پھر بھی سالانہ	پھر سالانہ
۳۴	۱۳	آئنیے	ئنیے
۳۷	۱۳	ہیں گہر	ہے گہر
۴۱	۴	ضرورت	ورت
رر	۱۹	مئے	مٹے
۴۲	۱۲	جنون انگیز	جنون انگریز
۴۳	۴	لغزش	تغزش
۔۔	۹	ہراک	ہرایک
۴۵	۵	شکر ہے	شکر سے
۴۶	۷	مسلمان	سلما
۴۷	۷	نکہت	نگہت
۴۸	۸	ڈاڑھی	داڑھی
۵۲	۱۰	ملّت	ملّب
۵۳	۴	آنکی	آنلی
۵۴	۳	نصیحت	نصیحب
۵۵	۱۳	پہ	پر
۵۸	۳	بتخانے سے	بتخانے میں
۵۹	۴	نہیں عطا	عطا نہیں
رر	۱۳	جو خدا	خو خدا
۶۰	۱۲	منکشف	منکسف
۶۰	۱۷	طالب	طائب
۶۱	۸	طاقت	طالب
۶۳	۸	دربار	دریار
رر	۱۴	ہیں خود	میں خود
رر	رر	مے پیئے	مے پیے
۔۔	۱۶	اظہار	اطہار
رر	رر	حد میں شوق	حد شوق
رر	۱۷	ہے اے کلیم	اہے اے کلیم
۶۴	۹	جنوں خیز نگاہیں	جنوں خیر نگاہیں
رر	۱۶	جان پہ میری	جان پہ میرے
رر	۱۸	ہیں ہوں	میں موں
۶۸	۷	ہو وے	ہوئے
۷۰	۷	مقسوم ہی	مقسوم ہے
۷۱	۹	خنجر	خجر

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۹۷	۱۵	سنگدل	سنگ	۱۲۳	۱۱	تیرے قد	نترے قد
۹۸	۱۷	خوان الوان	خون الوان	۱۲۴	۱۷	ملانے کو	ملانے کے
//	۱۸	بیٹے علاج	بے علاج	۱۲۶	۱۰	مبتلا ہوں ہنر سے	معترا ہو ہنر سے
۹۹	۱۶	پھول چنتے تھے	پھول چلنے تھے	۱۲۷	۴	پیچھے ہیں خار	پیچھے ہوں خار
۱۰۰	۱۹	نکلتی ہے نئی	نکلتی نئی نئی	//	۱۲	کریں تمکو پیار	کریں پیار تمکو
۱۰۳	۱۷	بت ہوش ربا	بت ہوش ربا	۱۳۰	۲	داغ عشق	داع عشق
۱۰۴	۱۰	تو غضب	نو غضب	۱۴۰	۵	جانتے ہیں	جانتے ہو
//	۱۵	کیسکی قسمت میں	کسکی قسمت میں	۱۴۱	۱۳	ذلت سے ہو	ذلت ہے ہو
۱۰۶	۱۱	اُلجھی	اُلجھا	۱۴۳	۵	کم ہیں ملینگے	کم میں ملینگے
۱۰۸	۱۰	پان لیجئے	مان لیجئے	۱۴۴	۱۸	گر آپکو خوش	اگر آپکو خوش
۱۱۰	۱۵	کیوں نہ رحم نبی ہے	کیوں زرحم نبی ہے	۱۴۷	۵	امراء القیس	امرا القیس
//	۱۹	ٹال دیتے ہیں	ٹال دینے میں	//	۱۳	زرا کوئی	زراکوئی
//	۲۰	آغوش میں میرے	آغوش میں مرے	۱۶۶	۶	قافلے میں	قافلے میں
۱۱۲	۳	کوہ طور پہ	کوہ طور پہ	۱۶۸	۱۶	بال پرواز	بال و پرواز
۱۱۳	۹	فاتحہ پڑھتے	فاتحہ پڑھنے	//	۲۱	دوش نسیم	دوش نسیم
۱۱۶	۲۱	سمجھے وہی اسکو	سمجھے وہی اسکو	۱۷۴	۹	بیگانہ دشتی	بیگانہ وستی
۱۱۸	۱۴	جادو	حادو	۱۷۷	۱	بال میں	ہال میں
۱۲۰	۱	سوے دوست	روے دوست	۱۷۹	۶	یہ جھاگ	یہ جھاک
۱۲۱	۲	باش	پاش	۱۸۶	۶	حرز جان	حرزحان
۱۲۳	۲	نہ آئینہ	وہ آئینہ	۲۲۳	۲۱	تسبیح	تصبیح

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۲۲۶	۱۹	شورغل	شوروغل	۲۴۸	۱۶	آگے بڑھاکر	آکے ٹبڑھاکر
۲۳۲	۳	غزالی دردمی	غزالی اورردمی	۲۴۹	۳	حضرت من	حصرت من
۲۳۳	۲	ہے نئی روشنی	نئی ردشنی	۲۵۲	۲۰	انجمن میں	انجن میں
۲۳۶	۲	رنجیرکے آگے	زنجیرلے آگے	۲۵۴	۱۳	نٹ کی جیسے	نٹ کی جے
۲۳۷	۱۸	نگاہ کی پروا	نگاہ کی روا	۲۵۵	۲۱	بیگانگی	بیگانگت
۲۳۸	۱۹	جو وہ	حو وہ	۲۵۷	۴	تحریک	تحریر
۲۴۵	۱	ہوتے ہوئے	ہوتے ہوتے	۲۵۸	۱۴	اڑنے لگے	اڑنےلگے
۲۴۸	۱۵	تھینک یو	تھینگ یو	۲۵۹	۱۳	آہ بیتی ہے	آہ چھیتی ہے

نوٹ۔ زرا کو کاتب نے ذرا لکھا ہے۔

صفحہ	سطر	صحیح	غلط	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۲۲۶	۱۹	شورغل	شوروغل	۲۴۸	۱۶	آگے بڑھاکر	آکے ٹبرھاکر
۲۳۲	۳	غزالی وردمی	غزالی اوررومی	۲۴۹	۳	حضرت من	حصرت من
۲۳۳	۲	ہے نئی روشنی	نئی ردشنی	۲۵۲	۲۰	انجمن میں	انجن میں
۲۳۶	۲	زنجیر کے آگے	زنجیرے آگے	۲۵۴	۱۳	نٹ کی جیسے	نٹ کی جے
۲۳۷	۱۸	لگاو کی پروا	لگاو کی روا	۲۵۵	۲۱	بیگانگی	بیگانگت
۲۳۸	۱۹	جو وہ	حو وہ	۲۵۷	۴	تحریک	تحریر
۲۴۵	۱	ہوتے ہوئے	ہوتے ہوتے	۲۵۸	۱۴	اڑنے لگے	اڑنے لگے
۲۴۸	۱۵	تھینک یو	تھینگ یو	۲۵۹	۱۳	آہ چبھتی ہے	آہ چھپتی ہے

لوٹ ۔ زرا کو کاتب نے ذرا لکھا ہے ۔

اڈیٹر ادیب نے مہربانی سے خود اسکا انتظام طبع انڈین پریس الہ آباد میں کیا اور صحت وصفائی طبع میں بہت کوشش فرمائی۔ اکثر بزرگوں نے وقتاً فوقتاً یہ خیالات ظاہر فرمائے (۱) ترتیب اچھی نہیں (۲) بعض اشعار کی تشریح ہونی چاہیئے (۳) انڈکس ہونا چاہیئے (۴) مصنّف کی سوانح عمری ہونی چاہیئے (۵) مصنّف کی تصویر ہونی چاہیئے (۶) ایک مطول تمہید خود مصنّف کی طرف سے ہونی چاہیئے۔

امر اول - یہ اعتراض بجا ہے لیکن بلحاظ حالات موجودہ مصنّف اسی ترتیب کو مناسب سمجھا صد تگہ جائیکہ او باشد بہ ہر سو میکنم + تا بہ تقریب نگاہے جانب او میکنم۔

امر دوم - الکنایۃ ابلغ من التصریح۔ علاوہ بریں اس کام میں طوالت زیادہ تھی آیندہ کوئی سخن فہم دوست بہ شرط ضرورت شارح ہو سکتا ہے۔

امر سوم - ایک مختصر انڈکس بعض مضامیں کا شامل کیا جاتا ہے۔

امر چہارم - اسکی تحریک مدت سے بعض لایق اور معزز احباب فرما رہے ہیں لیکن مصنّف کا خیال ہے کہ اگر اسکی لائف ایسی وقیع ہو بھی تو اس کلیات کے دیباچے میں وہ نہیں لکھی جا سکتی۔

امر پنجم - مصنّف کو یہ امر بجز فیشن ایبل ہونے کے اور طور پر معنی خیز نہیں نظر آیا۔

امر ششم - مصنّف کا خیال تھا کہ تمام اشعار جو زیادہ تر ابتدا گو قافیہ نوسی اور تقلیدی طرز میں کہے گئے ہیں اور جن میں فقط قافیہ پیمائی ہے وہ خارج ہو کر صرف منتخب اشعار طبع ہوں لیکن دوستوں نے اکثر یہی خیال کو اخلاقی خیال پر اصرار کے ساتھ ترجیح دی۔ پس اسقدر متفرق و مختلف المعانی اشعار کو پیش نظر رکھکر کوئی تمہید لکھنا دشوار نظر آیا۔

ایک یورپین مصنّف کہتا ہے کہ عمدہ کتاب کو تمہید کی ضرورت نہیں مصنّف اسپر یہ اضافہ کرتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ تمہید برائے تو دایک جداگانہ مضمون ہو مصنّف نے بعض خیالات کو جو ایک آرٹیکل چاہتے ہیں اکثر ایک یا چند اشعار میں ظاہر کر دیا ہے۔ توجہ فرما کر کل کتاب کا ملاحظہ ضرور ہے کیونکہ ایک قسم کے اشعار ایک جگہ نہیں ہیں۔ ایک لایق اور ذی علم اڈیٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ مصنّف بہ نسبت شاعر کے زیادہ تر ایک تھنکر (سوچنے والا) یا فلاسفر ہے جس نے اپنے خیالات خوبی کے ساتھ نظم کیے ہیں، مصنّف کو خوشی ہے

اڈیٹر ادیب نے مہربانی سے خود اسکا انتظام طبع انڈین پریس الہ آباد میں کیا اور صحت و صفائی طبع میں بہت کوشش فرمائی۔ اکثر بزرگوں نے وقتاً فوقتاً یہ خیالات ظاہر فرمائے (۱) ترتیب اچھی نہیں (۲) بعض اشعار کی تشریح ہونی چاہیے (۳) انڈکس ہونا چاہیے (۴) مصنّف کی سوانح عمری ہونی چاہیے (۵) مصنّف کی تصویر ہونی چاہیے (۶) ایک مطول تمہید خود مصنّف کی طرف سے ہونی چاہیے۔

امر اول - یہ اعتراض بجا ہے لیکن بلحاظ حالات موجودہ مصنّف اسی ترتیب کو مناسب سمجھا صد تگہ جائیکہ اوباشد بہ ہر سو میکنم + تا بہ تقریب نگاہے جانب او میکنم۔

امر دوم - الکنایۃ ابلغ من التصریح۔ علاوہ بریں اس کام میں طوالت زیادہ تھی آیندہ کوئی سخن فہم دوست بہ شرط ضرورت شارح ہو سکتا ہے۔

امر سوم - ایک مختصر انڈکس بعض مضامین کا شامل کیا جاتا ہے۔

امر چہارم - اسکی تحریک مدت سے بعض لایق اور معزز احباب فرما رہے ہیں لیکن مصنّف کا خیال ہے کہ اگر اسکی لائف ایسی وقیع ہو بھی تو اس کلیات کے دیباچے میں وہ نہیں لکھی جاسکتی۔

امر پنجم - مصنّف کو یہ امر بجز فیشن ایبل ہونے کے اور طور پر معنی خیز نہیں نظر آیا۔

امر ششم - مصنّف کا خیال تھا کہ تمام اشعار جو زیادہ تر ابتدائے قافیہ نویسی اور تقلیدی طرز میں کہے گئے ہیں اور جن میں فقط قافیہ پیمائی ہے وہ خارج ہو کر صرف منتخب اشعار طبع ہوں لیکن دوستوں نے لٹریری خیال کو اخلاقی خیال پر اصرار کے ساتھ ترجیح دی۔ پس اسقدر متفرق و مختلف المعانی اشعار کو پیش نظر رکھکر کوئی تمہید لکھنا دشوار نظر آیا۔

ایک یوروپین مصنّف کہتا ہے کہ عمدہ کتاب کو تمہید کی ضرورت نہیں۔ مصنّف اسپر یہ اضافہ کرتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ تمہید برائے تو ایک جداگانہ مضمون ہو۔ مصنّف نے بعض خیالات کو جو ایک آرٹیکل چاہتے ہیں اکثر ایک یا چند اشعار میں ظاہر کر دیا ہے۔ توجہ فرما کر کل کتاب کا ملاحظہ ضرور ہے کیونکہ ایک قسم کے اشعار ایک جگہ نہیں ہیں۔ ایک لایق اور ذی علم اڈیٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ مصنّف بہ نسبت شاعر کے زیادہ تر ایک تھنکر (سوچنے والا) یا فلاسفر ہے جس نے اپنے خیالات خوبی کے ساتھ نظم کیے ہیں۔ مصنّف کو خوشی ہے

میں ان سب کو ایک مرکب لفظ میں ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اکبر لسان العصر ہے۔ زمانہ موجودہ کے طبائع کے میلان کا عمل اور ردِ عمل ان سب کی تاریخ جب کوئی لکھنے بیٹھے گا، تو اکبر کا کلام اسکے لئے بمنزلہ اس زمانے کے آواز کے ہوگا۔ مجھکو انکا یہ کہنا دل سے بھایا اور اسی لئے میں نے اس تمہید میں اس گفتگو کا دہرانا ضروری سمجھا۔ عبد القادر

واضح ہو کہ ۱۹۰۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی آف ایکزمینیشن نے جو اردو کورس اعلیٰ امتحان آنرز کے لئے شائع کیا ہے اسمیں [1] مصنف کی بہت سی رباعیاں مندرج ہیں۔ ہر شاعر کی ایک مختصر لائف مدوّن نے تحریر کی ہے۔ مصنف کے حالات کی نسبت جو نوٹ انھوں نے اپنی اطلاع اور خیال کے مطابق لکھا ہے وہ بجنسہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض کہ مصنف کا حال کچھ بھی مندرج نہیں ہے کسیقدر رفع ہو جاے مگر اسمیں شک نہیں کہ مصنف کے دلچسپ و معنی خیز حالات و خیالات کے اظہار کے لئے یہ نوٹ کافی سے نہایت کم ہے۔

انتخاب از اردو کورس کلکتہ بورڈ آف ایکزمینیشن سنہ ۱۹۰۹ء

سید اکبر حسین نام اکبر تخلص موجودہ دور کے مشہور شاعر ہیں سنہ ۱۸۴۶ء کو مقام بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے جہاں انکے چچا تحصیلدار تھے جیسا کہ عموماً خاص لوگوں میں دیکھا گیا ہے بچپن ہی سے آثار فراست و فرزانگی انکے ناصیۂ اقبال سے ہویدا و درخشندہ تھے سنہ ۱۸۶۷ء میں انھوں نے وکالت درجہ دوئم کا امتحان پاس کیا سنہ ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور ایک سال کے بعد ہی ہائیکورٹ کے مثلخواں ہوئے۔ انکی ترقیخواہ طبیعت کے لئے یہ سہارا ابھی کافی نہیں ہوا اور سنہ ۱۸۷۳ء میں ہائی کورٹ کی وکالت میں کامیابی حاصل کی اور چند سالوں کے بعد منصف مقرر ہو گئے۔

انگریزی انھوں نے پرائیویٹ طور پر سیکھی تھی۔ لیکن قانونی قابلیت کے ایسے گراں قدر جوہر نمایاں ہوے تھے کہ سب آرڈینیٹ ججی کے لئے انکو عمدہ طور پر پیش کیا گیا اور پانچ سال بھی نہیں گذرے تھے کہ ڈسٹرکٹ سشن ججی کے لئے ان پر نظر پڑی اور اسکی قائم مقامی انھوں نے سالہا سال کی۔ ہائی کورٹ کی ججی کے لئے بھی انکا نام لیا جاتا تھا لیکن سنہ ۱۹۰۳ء میں وہ اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے رٹائر ہو گئے اور اس لئے یہ خیال ظہور میں نہ آسکا۔

سنہ ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ نے جوڈیشل سروس کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا کر انکا

[1] اس کتاب میں آتش۔ مومن۔ ذوق۔ غالب۔ انیس امیر۔ داغ۔ حالی۔ اکبر کے کلام سے اقتباس کیا گیا ہے

میں ان سب کو ایک مرکب لفظ میں ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اکبر لسان العصر ہے۔ زمانہ موجودہ کے طبائع کے میلان کا عمل اور ردِ عمل ان سب کی تاریخ جب کوئی لکھنے بیٹھے گا، تو اکبر کا کلام اسکے لئے بمنزلہ اس زمانے کے آواز کے ہوگا۔ مجھکو انکا یہ کہنا دل سے بھایا اور اسی لئے میں نے اس تمہید میں اس گفتگو کا دہرانا ضروری سمجھا۔ عبد القادر

واضح ہو کہ ۱۹۰۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی بورڈ آف ایگزیمینیشن نے جو اردو کورس اعلیٰ امتحان آنرز کے لئے شائع کیا ہے اسمیں[۱] مصنف کی بہت سی رباعیاں مندرج ہیں۔ ہر شاعر کی ایک مختصر لائف مدوّن نے تحریر کی ہے۔ مصنف کے حالات کی نسبت جو نوٹ انھوں نے اپنی اطلاع اور خیال کے مطابق لکھا ہے وہ بجنسہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے تاکہ یہ اعتراض کہ مصنف کا حال کچھ بھی مندرج نہیں ہے کسیقدر رفع ہو جاے مگر اسمیں شک نہیں کہ مصنف کے دلچسپ و معنی خیز حالات و خیالات کے اظہار کے لئے یہ نوٹ کافی سے نہایت کم ہے۔

انتخاب از اردو کورس کلکتہ بورڈ آف ایگزیمینیشن ۱۹۰۹ء

سید اکبر حسین نام اکبر تخلص موجودہ دور کے مشہور شاعر ہیں ۱۸۴۶ء کو مقام بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے جہاں انکے چچا تحصیلدار تھے جیسا کہ عموماً خاص لوگوں میں دیکھا گیا ہے بچپن ہی سے آثار فراست و فرزانگی انکے ناصیۂ اقبال پر درخشندہ تھے ۱۸۶۷ء میں انھوں نے وکالت درجہ دوئم کا امتحان پاس کیا ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلداری پر مقرر ہوئے اور ایک سال کے بعد ہی ہائیکورٹ کے مثلخواں ہوئے۔ انکی ترقیخواہ طبیعت کے لئے یہ سہارا بھی کافی نہیں ہوا اور ۱۸۷۳ء میں ہائی کورٹ کی وکالت میں کامیابی حاصل کی اور چند سالوں کے بعد منصف مقرر ہو گئے۔

انگریزی انھوں نے پرائیویٹ طور پر سیکھی تھی۔ لیکن قانونی قابلیت کے ایسے گراں قدر جوہر نمایاں ہوے تھے کہ سب آرڈینیٹ ججی کے لئے انکو عمدہ طور پر پیش کیا گیا اور پانچ سال بھی نہیں گذرے تھے کہ ڈسٹرکٹ سشن ججی کے لئے ان پر نظر پڑی اور اسکی قائم مقامی انھوں نے سالہاسال کی۔ ہائی کورٹ کی ججی کے لئے بھی انکا نام لیا جاتا تھا لیکن ۱۹۰۳ء میں وہ اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے رٹائر ہو گئے اور اس لئے یہ خیال ظہور میں نہ آسکا۔

۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ نے جوڈیشل سروس کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا کہ انکا

[۱] اس کتاب میں آتش۔ مومن۔ ذوق۔ غالب۔ انیس۔ امیر۔ داغ۔ حالی۔ اکبر کے کلام سے اقتباس کیا گیا ہے

دورِ سیوم - کلام حال

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا
رہوں جو حق پہ - مخالف کریں گے کیا میرا

خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
تو ذرّہ ذرّۂ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقتِ ہستی یہ مشت خاک نہیں
بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا

اُنہیں ہے عقل جو محتاجِ غیر ہے ہر دم
مجھے ہے عشق کہ جو خود ہے مدعا میرا

غرور اُنہیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبرؔ
سوا خدا کے سب اُن کا ہے اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا
بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا

بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس
ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش
طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے
کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگِ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سیّد اُٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اک سے سوا ہیں اکبرؔ
مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا / غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم / ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے باخدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے / مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو دقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہے میرے کہنے میں / مجھے تسلیم ہے ارشاد واعظ کا بجا ہونا

خدا بننا تھا منصور اسلیے مشکل یہ پیش آئی / نہ کھنچتا دار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے لے واعظِ ناداں / بلائے دام گیسوے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوشِ طبیعت سے ہوا شوقِ گناہ آخر / عجب کیا ناز سکھلائے اگر اُن کو خفا ہونا

صفاتِ حق تعالے فہم منکر میں نہیں آتے / وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا اُن سے ملائے تو نہایت ہی خوشی آئے گا / نیا عہدِ وفا بندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریقِ مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے / خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

دلیل خود بیں سے پوچھتی ہے کہ تم مسلّم مگر خدا کیا / دل اُسکے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اُسکے ہوتے ہوئے یہ سوا کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہدی / اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پہ / خدا کے دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ بُت خدا کیا

جو تمہارے لبِ جاں بخش کا شیدا ہوگا / اُٹھ بھی جائے گا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالبِ دیدار ہوا / پھر وہ کیا ہوگا کہ جس نے تمہیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شانِ جنوں کے آگے / اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت / نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر / ڈر یہ ہے خون جگر ہجر میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا / میں مریضِ ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شانِ محبوبیِ صانع کا نشاں رکھا ہے یہ / ورنہ کیا تھا جس نے دل میں درد پیدا کر دیا

دین سے اتنا الگ حدِ فنا سے یوں قریب / اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگِ دنیا کر دیا

وت نے غفلت جوانی میں تو لذت دیگئی
ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مرے اک دل کو تسکیں دینے پہ وہ قادر نہیں
ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

سے تمہارے دیکھتے اب دم بھی تن میں آتا نہیں
سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

سب کے سب باہر ہوئے جب وہ خرد ہوش و تمیز
تھا نہ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

یوسفِ حسن کے جلووں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

ق

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورشِ شیریں کا مزار رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تم سے کیا کہوں
اس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

بے نوش ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی
ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبر محال
مُفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

ذرہ فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیتِ اُلفت
مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک مزا اچھا

نقاب اُن کے رخِ رنگیں سے اٹھا عین محفل میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

ہٹایا زلف کو اُن کے رخِ رنگیں سے گلشن میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

دولت نے غفلت جوانی میں تو لذت دیگئی
ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مرے اک دل کو بخشش کی نے یہ وہ قادر نہیں
ایک کُن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

یہ تمھارے دیکھئے اب دم بھی بنتی آتا نہیں
سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

سب کے سب باہر ہوئے جب وہ ہوش و تمیز
خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہر طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

ق

یوسفِ حسن کے جلووں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورشِ شیریں کا مزار کھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے پانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں تم سے کیا کہوں
اس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کر دیا

بے خوش ہو کر مرے سے زندگی کٹنے لگی
ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبر محال
مُفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیتِ اُلفت
مجھے معلوم ہے سن لے اثر مہلک مزا اچھا

نقاب اُن کے رخِ رنگیں سے اٹھا عین محفل میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

ہٹایا زلف کو اُن کے رخِ رنگیں سے گلشن میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیمپ کی
بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

ہم کو زیرِ آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
منزلِ ہستی میں لٹنے کو ٹھہرنا ہی پڑا

موت کے عشووں کے آگے نازِ منطق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا

جانتی تھی قوت اپنی مدتِ عمرِ عروج
بحر میں لیکن حبابوں کو اُبھرنا ہی پڑا

خوانِ فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا

ساغرے ہے ساتھ شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مردِ خدا چڑھا بھی جا

اے دلِ باتمیز و ہوش حزم کا کام یہاں نہیں
لطفِ فریبِ حسن اُٹھا فقروں میں اُنکے آ بھی جا

بنائے کارِ جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہم نے یہاں انقلاب ہی دیکھا

ہم انقلاب کے شایق نہیں زمانے میں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشقِ حبیب ہوتا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا

ادھر ہی طبع کی نزاکت اُدھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہوتا

عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقامِ حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا

رسولِ اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اوّل سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا عجیب ہوتا

یہ دل یہ گذرے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہ ہونے کی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہوتا

رہِ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل و چشمِ پُرنم
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہوتا

نظر کرا انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے
عجب نہیں عاشقانِ رب سے ظہور کا یہ عجیب ہوتا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا

رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا

اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا

یہ دھوم دھام کیسی۔ شوقِ نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا

ہے عشق کی جوانی کٹتی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لمپ کی
بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلا یا کر دیا

ہم کو یہ آسماں ہو کر گذرتا ہی پڑا
منزل ہستی میں لٹنے کو ٹھہرنا ہی پڑا

موت کے عشووں کے آگے ناز منطق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا

جانتی تھی قوت اپنی مدتِ عمر عروج
بحر میں لیکن حبابوں کو اُبھرنا ہی پڑا

خوان فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا

ساغر ہے ساتھ شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مردِ خدا چڑھا بھی جا

اے دلِ باتمیز و ہوش حزم کا کام یہاں نہیں
لطف فریب حسن اُٹھا فقروں میں اُنکے آبھی جا

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہم نے یہاں انقلاب ہی دیکھا

ہم انقلاب کے شایق نہیں زمانے میں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشقِ حبیب ہونا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا

ادھر ہی طبع کی نزاکت اُدھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا

عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا

رسول اکرمؐ کی ہسٹری کو پڑھو تو اوّل سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا

یہ دل یہ گذرے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہ ہونے کی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا

رہ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل و چشم پرنم
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا

نظر کرا نکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے
عجب نہیں عاشقانِ رب سے ظہور کا یہ عجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا

رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا

اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا

یہ دھوم دھام کیسی۔ شوقِ نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا

بے عشق کی جوانی کٹتی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

بہ رنگِ گلزارِ جہاں کا قدرداں مجھ سا تھا کون | جو گلِ رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

فسونِ بت سے بچا بند بابِ دیر رہا | خدا نے فضل کیا طفلِ دل بخیر رہا
تعجب آتا ہے اُن کے مذاق پر مجھکو | چمن خزاں میں بھی جن کا محل سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بُت پرستی کے
نہ بت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا | دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات | خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا
تنگ دُنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ | دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا | غنیمت وہ زمانہ ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا
ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے | کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے آخر نہیں ہوتا
علومِ دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے | زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا
تری چشمِ فسوں گر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے | فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا
نہ خلق اس کی خبر لیتی نہ عقل اُس کی مدد کرتی | خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا
حضورِ قلب اگر حاصل نہیں تجھکو تعجب کیا | خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جس کا اثر اتنا
فسوں کیسا۔ مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا | نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری | پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا
رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب | بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا
ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی | ہے پینٹر تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا
جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اُس کی چیزیں | یاں تخت ہے تو پھر کیا واں میز ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
مفقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
منزل وہی ہے جسکو نبیوں نے ہے بتایا
گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا

ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
اسٹیم ہے تو پھر کیا مہمیز ہے تو پھر کیا
کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب اُن کا آج تک نہ گیا
نہ گیا اُن کے دل سے شک نہ گیا

اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا

کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر
دیکھیے آخر شش کھسک نہ گیا

میخانۂ رفارم کی چکنی زمین پر
واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا

کیسی نماز ہال میں ناچو جنابِ شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا

یہ پاس اور وہ پاس نہ موحد نہ اہلِ زر
اخبار میں جو چھپ گئے ارمان نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا

پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگِ خیال کا

نظارہ کر رہا ہوں بتِ بے مثال کا
شانِ خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا

ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا

اُس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا

رکھنا پڑا ہے اُس بتِ کافر سے میل جول
موقع نہیں ہے بحثِ حرام و حلال کا

الفت میں فرض ہے بتِ کافر کا اتباع
موقع نہیں ہے بحثِ حرام و حلال کا

دورِ فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے
ہے بس عروج خاتمہ اُس کے زوال کا

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

ماضی[1] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا

بلبل کی شاخ گل پہ نہ باقی رہے نظر
نشو و نما جو دیکھ لے اُس نونہال کا

طریقِ عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اُسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا

پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھُلے یاں ہجرِ گیسو ہے
وہاں پے بِل ہے اور یاں سانپ کا بھی بِل نہیں ملتا

یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج اُن کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ و رُخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس و ہوش گم ہیں بحرِ عرفانِ الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتابِ دل مجھے کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستیٔ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا

وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

حضرتِ دل کو چڑھا آیا میں بت خانے میں
اُن کے انداز سے اُن کو اسی قابل سمجھا

ہوئی دنیا میں مرے جوشِ جنوں کی تکریم
ترے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا

کافری سہل نہ تھی عشقِ بتاں کھیل نہ تھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا

ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا

ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُس کا ستم
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا

اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرتِ گل
شورِ امواج کو میں شورِ عنادل سمجھا

[1] یعنی زمانۂ ماضی

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے
ماضی[1] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
بلبل کی شاخ گل پہ نہ باقی رہے نظر

کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا
نشو و نما جو دیکھ لے اُس نونہال کا

طریقِ عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
حریفوں پر خزانے ہیں کھُلے یاں ہجر گیسو ہے
یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
چھپا ہے سینہ و رُخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
حواس و ہوش گم ہیں بحرِ عرفانِ الٰہی میں

گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آگیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا
اُسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا
وہاں پے پُل ہے اور یاں سانپ کا بھی بِل نہیں ملتا
مزاج اُن کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتابِ دل مجھے کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستئ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
حضرتِ دل کو چڑھا آیا میں بت خانے میں
ہوئی دنیا میں مرے جوشِ جنوں کی تکریم
کافری سہل نہ تھی عشقِ بتاں کھیل نہ تھا
ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُس کا ستم
اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرتِ گل

اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا
اُن کے انداز سے اُن کو اسی قابل سمجھا
ترے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا
شورِ امواج کو میں شورِ عنادل سمجھا

[1] یعنی زمانۂ ماضی

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوش دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
ملا جو خانۂ تن خاک میں تو ملنے دو

تری نظر نہ رہی وہ مرا وہ دل نہ رہا
یہ رنج کیا ہے کہ زندانِ آب و گِل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہ خوش اقبال آگیا
آفتِ گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
عالمِ فطرت یہ ہے میری نظر بھی اے حکیم

صبر و تقویٰ پہ جو بھاری ہے وہی سال آگیا
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعویٰ علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہوگیا ساکت مگر جب ذکرِ اقبال آگیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
رنگِ رخِ بہار کی زینت ہوئی نئی
فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
حدِ شہرِ عافیت کی نئی طرز پر بندھی

نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا
بالائی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا
وہ چہکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہرِ نایاب سے واقف نہیں دنیا
خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا

آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زاہد نے پرتوِ دیں نام کو رہنے نہ دیا
وہ مرادیں جو ملیں چار تمنائیں گئیں
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار

آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا
دل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں

ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہوگیا
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوش دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
ملا جو خانۂ تن خاک میں تو مٹنے دو

تری نظر نہ رہی وہ مرا وہ دل نہ رہا
یہ رنج کیا ہے کہ زندانِ آب و گِل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہ خوش اقبال آ گیا
آفتِ گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
عالمِ فطرت یہ ہے میری نظر بھی اے حکیم

صبر و تقویٰ پہ جو بھاری ہے وہی سال آ گیا
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آ گیا
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آ گیا

دعویٰ علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہو گیا ساکت مگر جب ذکرِ اقبال آ گیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
رنگِ رخِ بہار کی زینت ہوئی نئی
فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
حد شہر عافیت کی نئی طرز پر بندھی

نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا
پانی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہرِ نایاب سے واقف نہیں دنیا
خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا

آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زاہد نے پرتوِ دیں نام کو رہنے نہ دیا
وہ مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار

آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا
دل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہو گیا
بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہو گیا
انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں

ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہو گیا
بیوفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہو گیا
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہو گیا

اُس نے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسے کے تو
میں نے ناحق کہدیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا

سر بھی کھا جائے گا ظالم جان بھی کھا جائے گا
سخت مشکل ہے کہ تا صبح میرا مہماں ہوگیا

انقلاب دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اُس کا درباں ہوگیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہوگیا

قبل ہستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہوگیا

عظمتِ خالق نہ سمجھا قدر دل اُس نے نہ کی
جو پئے لذت مطیعِ نفس و شیطاں ہوگیا

پوچھتے کیا ہو اُصول مذہب رندانِ عشق
یار کا ارشاد اُن کا دین و ایماں ہوگیا

میری قسمت تھی کہ ہر پتا بنا بانگ جرس
بخت دشمن تھا کہ خواب چشم درباں ہوگیا

اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہ نو بھی چرخ پر شکلِ گریباں ہوگیا

اُس لبِ شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زباں اُن کی جو مُنہ میں میں زباں داں ہوگیا

کی ترقی چشم بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسند نشینِ بزم رنداں ہوگیا

کر گئی کام نگاہِ مسِ پر فن کیسا
تج چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا

اُس کو چکر ہی رہا اور یہ خدا تک پہنچا
دلِ پر سوز جو ہاتھ آئے تو انجن کیسا

اصل سے ہو کے جدا نشو و نما کی اُمید
مجھکو حیرت ہے کہ بوڑھوں میں یہ بچپن کیسا

خدا کے ہوتے بتوں کو پوجوں نہیں تھا مطلق گمان ایسا
مگر تمہیں دیکھکر تو واللہ آ گیا مجھ کو دھیان ایسا

دہ چھت پہ بے پردہ سو رہے ہیں فلک قمر سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوشرو جوان ایسا

بھلا ہی دیتی ہو جسکو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جسکو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

بھرا ہو دل جو ذوق سے ہو خدا کی یاد اُسمیں شوق سے ہو
وہاں کے جلوؤں کا پوچھنا کیا مکین ایسا مکان ایسا

دل و جگر کو فراقِ بت میں حوالہ چشم تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارۂ گنگ دان ایسا

دنیا کے مباحث یہ مری نظروں میں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا

تو کہیے اگر وقعتِ عاشق نہیں دل میں	یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تیں کیا
زلفِ پیچاں کا تصور مجھے کرنا ہی نہ تھا	ہو گئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا
شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار	سینۂ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا
میری ہر بات کا رخ ہے طرفِ عارضِ یار	میرے ہر شعر سے ہیں معنیٔ روشن پیدا

دیدہ و دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دہر میں خونِ جگر کہیں پیتا	کوئی زمانے میں ہے شیر و انگبیں پیتا
میں ان کی بزم سے اٹھ آیا قبلِ دورِ شراب	محلِ شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا
سرورِ روح ہے حاصل ولائے حیدر سے	میں جامِ کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا
نہ ملتی پشّے کو دنیا میں قوّتِ پرواز	اگر یہ خون کسی کا براہِ کیں پیتا
ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ	تری طرح کوئی پانی جو اے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوشِ الفت سے ہوئی تھی اے حسیں پیدا	تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چینِ جبیں پیدا

فریبِ عقل ظاہر بیں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
ہمیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا	جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہِ حبِ قومی میں	وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا
کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر	یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
لطیف الطبع ساتھی چاہیے فیاض طبیعت کا	چمن سے بے ہوا کے کاروانِ بو نہیں چلتا
ستم دورِ گردوں کے سہہ جاؤں گا	جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ
وگرنہ یوہیں مر کے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا
ذرا تو بخت شہ ایعوں کو باغ دھر میں دیکھ
انھیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جا کر ذرا للہ کہہ دینا
کہ گم راہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا
بہت مشکل ہے بچنا بادہ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا
مرے خواہیں سلام اغیار کو قاصد یہ کیا معنی
نہایت رنج ہے اس کا مجھے واللہ کہہ دینا
تمہاری مرحبا سے شعر کی ہو جائے گی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زبان سے واہ کہہ دینا

اگرچہ تسکین طبع ملت ہے حب قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے الہ کرنا
وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا
یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا
کہیں گے تعمیل ذات پر ہو نشان دنیا تباہ
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا
نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اسکا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا
کہا یہ میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا
جہان صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئینہ ہے
مگر انہیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا
کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھنے آکے بزم سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

وہ دور یہ چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہل تقوی ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اس بت دلخواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہوں گا جو اللہ نے چاہا
ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اس نے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر شخص یہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا
عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ
وگرنہ یونہیں مر کے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا
ذرا تو پختہ شہیدوں کو باغ دہر میں دیکھ
اُنھیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جا کر ذرا للہ کہہ دینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا
بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا
مرے خواہیں سلام اغیار کو قاصد یہ کیا معنی
نہایت پوچ ہے اِس کا مجھے واللہ کہہ دینا
تمھاری مرحبا سے شعر کی ہو جائے گی عزّت
نہ نکلے واہ دل سے تو زبان سے واہ کہہ دینا

اگرچہ تسکینِ طبع ملت ہے حُبِ قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے اللہ کرنا
وفائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا
کہاں سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بتائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا
کہیں گے تعمیل ذات پر ہو نشان دو یا پتا بتاؤ
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا
نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اسکا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا
کہا یہ میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہو گا دل شکستہ میں راہ کرنا
جہانِ صورت کا ذرہ ذرہ جمالِ معنی کا آئینہ ہے
مگر اُنھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا
کہے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھئے آ کے بزمِ سید
یہ رونق اور یہ چہل پہل ہو تو کیا بُرا ہے گناہ کرنا

وہ دورِ چرخ آ رہا ہے اکبر کہ اہل تقوی ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اُس بتِ دلخواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہوں گا جو اللہ نے چاہا
ساتھ اُن کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اُس نے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر شیخ یہ راضی ہو نہیں سکتا
خیالِ دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا
عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا
میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا

جنگ ہے جرم محبت ہے خلافِ تہذیب
ہوچکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھوگئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہوجائے کوئی ملٹنِ ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے کہنے لگا
میں کیا کرتا منہ اُس کا تکنے لگا

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

بدن چھو گیا آگ سی لگ اُٹھی
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

رقیبوں نے پہلو دبایا تو چپ
میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا

جو محفل میں اکبر نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانیوالا
ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنیوالا

نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں حیرت بدل رہی ہے
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانیوالا

خودی گم کرچکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب

قناعت جسکو ہے وہ رزق ما یحتاج پر خوش ہے
سمجھ جس کو ہے اسکو بحث بیش و کم سے کیا مطلب

[illegible]
[illegible] ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب

مری [illegible] ہیں شہ دل میرا
تجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام جم سے کیا مطلب

خود اپنی [illegible] میں [illegible] ہوئے ہیں حضرت واعظ
بھلا انکو بتوں کے گیسوئے پرخم سے کیا مطلب

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جناب ڈاردن کو حضرتِ آدم سے کیا مطلب

صدا اسے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نہیں ہیں غافل کہاں سے پیدا امام صاحب
انھیں کے در پر جھکی ہے خلقت [illegible]

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا
میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا

جنگ ہے جرم محبت ہے خلاف تہذیب
ہو چکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھو گئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہو جائے کوئی ملٹن ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا
میں کیا کرتا منہ اُس کا تکنے لگا

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

بدن چھو گیا آگ سی لگ اُٹھی
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

رقیبوں نے پہلو دبایا تو چپ
میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا

جو محفل میں اکبر نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانے والا
ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنے والا

نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں حیرت بدل رہی ہے
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانے والا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب

قناعت جسکو ہے وہ رزق ما یحتاج پر خوش ہے
سمجھ جس کو ہے اُسکو بحث بیش و کم سے کیا مطلب

[illegible] کی نگاہ [illegible] مجھے
[illegible] ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب

مری فطرت [illegible] حقیقت بیں ہے دل میرا
تجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام جم سے کیا مطلب

خود اپنی [illegible] میں اٹھے ہوئے ہیں حضرت واعظ
بھلا انکو بتوں کے گیسوئے پرخم سے کیا مطلب

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نہیں ہیں غافل کہاں سکے پیرو امام صاحب
اُنھیں کے در پر جھکی ہے خلقت [illegible]

حسن میں کب ہے قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اُس میں
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو اک ذرّہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اُڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدہ سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوقِ شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رمِ آہو کی طرح

گلشنِ عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سروِ لبِ جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کوکو کی طرح

تیکھی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہتِ گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح

رنگِ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح

ہمسر اُس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اُس نرگسِ جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دلِ روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جامِ مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ۔ اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحبِ حس نہ کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
یہ سخن تیرا گلوگیر ہو اچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہلِ نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشنِ دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

حسن میں کب ہے قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اُس میں
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو اک ذرّہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اُڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دال کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدہ سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوقِ شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رم آہو کی طرح

گلشنِ عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سروِ لبِ جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کوکو کی طرح

ترچھی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہتِ گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح

رنگِ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح

ہمسر اُس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اُس نرگسِ جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دلِ روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جامِ مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ۔ اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحبِ حس نہ کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
یہ سخن تیرا گلوگیر ہو اچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہلِ نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشنِ دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

نہ بھول اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسراً اے اکبر
خدا سکون بھی دے گا اِس اضطرار کے بعد

مذاق درد نے دل کو مرے ہے آہ پسند
عجب نہیں اسے کرلے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اُس نے مجھ کو بوسۂ لب
کسے نصیب یہ حلوا ہے بادشاہ پسند

محلِ طعن نہیں ہے ہماری مے خواری
ہنر کے حکم میں ہے عیب بادشاہ پسند

یہ بے اصولی و لغزش بُری ہے سالک کو
خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند

نہ حلقِ سر کا ہے سودا مجھے نہ تیرتھ کا
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹھ پجر
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
غضب یہ ہے کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

ق

فلاسفی کو ہے مرغوبِ طبع الا اللہ
طریق سینٹفک کو ہے لا الٰہ پسند

رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اُسے ناپسند خواہ پسند

اب اسکے آگے ہے جو کچھ گروہ بندی ہے
ہراک کو اپنی ہی نسبت ہے واہ واہ پسند

مُلحداں را ہمہ اوصاف و ثناہا خوانند
مومناں را بخراشند بہ دشنامے چند

غیرتِ دیں بہ فروشند بہ یک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملّت پئے خودکامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامیِ حریف
چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدامے چند

پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد است
قدمے ہم نہ نہد در رہ ایں خامے چند

وردِ ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایانِ خرابات خدا یار شماست
چشمِ انعام مدارید ز انعامے چند

دلا لے چل ہمیں سوئے محمد
دکھا دے جنتِ کوئے محمد

شبِ عاشق ہیں گیسوئے محمد
خدا کا نور ہے روئے محمد

چمن قرآں ہے ہر لفظ اُسکا ہے گل
نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمد

نہ بھول اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسراً اے اکبر
خدا سکون بھی دے گا اس اضطرار کے بعد

مذاق درد نے دل کو مرے ستے آہ پسند — عجب نہیں اسے کرلے تری نگاہ پسند
خدا کا شکر دیا اس نے مجھ کو بوسۂ لب — کسے نصیب یہ حلوائے بادشاہ پسند
محلِ طعن نہیں ہے ہماری مے خواری — ہنر کے حکم میں ہے عیب بادشاہ پسند
یہ بے اصولی و لغزش بُری ہے سالک کو — خدا کے واسطے تم کرلو ایک راہ پسند
نہ حلق سر کا ہے سودا مجھے نہ تیر تبر کا — بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند
خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹ پچر — کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند
گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی — غضب یہ ہے کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند
فلاسفی کو ہے مرغوبِ طبع الا اللہ — ق — طریق سئینٹفک کو ہے لا الٰہ پسند
رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون — کرے حریف اسے ناپسند خواہ پسند
اب اسکے آگے ہے جو کچھ گروہ بندی ہے — ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہے واہ واہ پسند

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خوانند — مومناں را بخراشند بہ دشنامے چند
غیرتِ دیں بفروشند بہ یک غمزۂ کفر — چشم پوشند ز ملت پئے خودکامے چند
روحِ خود را چو سپردی بہ غلامیِ حریف — چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدامے چند
پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد است — قدمے ہم نہ نہد در رہِ ایں خامے چند
ورد ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر — ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند
اے گدایانِ خرابات خدا یار شماست — چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلا لے چل ہمیں سوئے محمد — دکھا دے جنتِ کوئے محمد
شبِ عاشق ہیں گیسوئے محمد — خدا کا نور ہے روئے محمد
چمن قرآں ہے ہر لفظ اسکا ہے گل — نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمد

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو
میری نظر ہے تاک ہی کے داربست پر
پھیکا ہے رنگِ مے ترے عارض کے سامنے
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر
منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر
موقوف شاعری نہیں اس نیست ہست پر
بندِ نقاب باندھتے ہیں مجھکو دیکھکر
اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر
چل پھر نے انکی آنکھوں کی مجھ کو بھا لیا
کیونکر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر
اس باوفا کو حشر کا دن ہوگا روزِ وصل
قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر
ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر
اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
رحمت خدا کی چاہوں گا اب مے پرست پر
بجلی کو ہاتھ آگیا تیری ہنسی کا طرز
غنچوں کو رشک کیوں نہو اس تیز دست پر
گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر
کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز
کیوں معترض ہو فرشِ زمیں کی نشست پر

نظر اُن کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
بس اصلِ کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر
اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسمِ بیجاں
یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آکر
جو ضعف پوشیدہ دین میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے
زبانِ واعظ میں بھی جو طاقت چھپی وہ میرے قلم میں آکر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوقِ شراب ساغر تو بیٹھیے بزمِ جم میں آکر

جس نے ابھارا خلق کو طاعتِ کردگار پر
نقش اُسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر
شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کیساتھ
سکۂ نام انبیاء اب بھی ہے ہر دیار پر

معنوی تو ملینگے تمہیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو
پھیکا ہے رنگِ مے ترے عارض کے سامنے
منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر
بندِ نقاب باندھتے ہیں مجھکو دیکھکر
چل پھر نے انکی آنکھوں کی مجھ کو بھا لیا
اُس باوفا کو حشر کا دن ہو گا روزِ وصل
ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر
اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
بجلی کو ہاتھ آگیا تیری ہنسی کا طرز
گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل
کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز

میری نظر ہے تاک ہی کے داربست پر
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر
موقوف شاعری نہیں اس نسبتِ ہست پر
اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر
کیونکر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر
قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر
رحمت خدا کی چاہوں گا اب مے پرست پر
غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیز دست پر
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر
کیوں معترض ہو فرشِ زمیں کی نشست پر

نظر اُن کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
بس اصلِ کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری نے ہم میں آکر
اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسمِ بیجاں
جو ضعف پوشیدہ دین میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر
یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آکر
زبانِ واعظ میں بھی جو طاقت چھپی وہ میرے قلم میں آکر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوقِ شرابِ ساغر تو بیٹھیے بزمِ جم میں آکر

جس نے ابھارا خلق کو طاعتِ کردگار پر
شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کے ساتھ
نقش اُسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر
سکۂ نام انبیاء اب بھی ہے ہر دیار پر

مغوی تو ملینگے تمہیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفونکے صدقے میں
پریشاں ہوکے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہوکر

بنوگے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہوکر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورجہاں ہوکر

دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت رساں ہوکر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرام جاں ہوکر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہوکر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہوکر

پئے ضبط محبت نقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہ عناد آخر نصیب دشمناں ہوکر

مجال گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہوکر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں
نمازی ہیں ندارد رہ گئی خالی اذاں ہوکر

کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیب دشمناں ہوکر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہ ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہوکر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہوکر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سلایا مجھکو اس مکار نے افسانہ خواں ہوکر

نہیں اوج و تعلی کا مزا مجھکو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہوکر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو نبھ جاتی ہے شاید بد زباں ہوکر

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہوکر

ضعیفی زور پر آئی ہوے بیدست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہوکر

روش ہو راست آزادانہ سا تھا اسکے تو اضع بھی
چلو تم مثل تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہوکر

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑا اے دامن مجنوں
نہیں ہے ہوش اسکو خود تو اڑ جا دھجیاں ہوکر

نگین بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقش تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہوکر

مری زردی رخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہوکر

بلندی مراتب سے تلون ہو گیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہوکر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

بنو گے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر

دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت رساں ہو کر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرام جاں ہو کر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکر ناں ہو کر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہو کر

پئے ضبط محبت نقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہ عناد آخر نصیب دشمناں ہو کر

مجال گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہو کر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں
نمازی ہیں ندارد رہ گئی خالی اذاں ہو کر

کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیب دشمناں ہو کر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہ ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہو کر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سلایا مجھکو اس مکار نے افسانہ خواں ہو کر

نہیں اوج و تعلی کا مزا مجھکو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہو کر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو نبھ جاتی ہے شاید بد زباں ہو کر

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہو کر

ضعیفی زور پر آئی ہوئے بیدست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی
چلو تم مثل تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہو کر

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑا اے دامن مجنوں
نہیں ہے ہوش اسکو خود تو اڑ جا دھجیاں ہو کر

نگین بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقش تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہو کر

مری زردی رخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہو کر

بلندی مراتب سے تلون ہو گیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہو کر

نمایاں ہیں ترے دامن کی سلیں کہکشاں ہوکر
اس اطلس کی زمیں اے ماہ چمکی آسماں ہوکر

ہوا زرد آفتِ گیسو میں زار و ناتواں ہوکر
مرے باغِ جوانی میں بہار آئی خزاں ہوکر

مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہوکر

بہارِ عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہوکر

زبانیں دبیجتی ہیں آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہوکر

ابھارا اس قدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
کہ چل نکلی زمیں قایم مقامِ آسماں ہوکر

بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہو گئے پیدا
کہ چل نکلی زمیں قایم مقامِ آسماں ہوکر

دکھا کر ابروِ مژگاں نظر ان کی یہ کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحبِ تیغ و سناں ہوکر

بٹھا رکھا ہے اس نامہرباں نے منتظر کرکے
خدا سے ہے مجھے امید اٹھا لے مہرباں ہوکر

لطیف الطبع تیز و تند رنگین و نشاط افزا
تمھیں سی ہو گئی ہے دخترِ رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہوکر
طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر

ہجومِ یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر درِ دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

دل اس بتِ فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اس کی ہے شان اور

کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اس کی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوے سخن ہے نہ وہ رنگِ انجمن
تہذیبِ مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میلِ نظر ہے زلفِ مسِ کجکلاہ پر
سونا چڑھا رہا ہوں میں تارِ نگاہ پر

اچھا ہوا مقابلہ برقِ حسن و عشق
ان کو ہنسی جو آ گئی عاشق کی آہ پر

یا شہیدِ جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین بچنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یا درِ بتخانہ چھوڑ

نمایاں ہیں ترے دامن کی جیبیں کہکشاں ہو کر
اس اطلس کی زمیں اے ماہ چمکی آسماں ہو کر

ہوا زرد الفت گیسو میں زار و ناتواں ہو کر
مرے باغِ جوانی میں بہار آئی خزاں ہو کر

مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہو کر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بوڑھا جواں ہو کر

بہارِ عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہو کر

زبانیں دبیجتی ہیں آفتِ تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہو کر

ابھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
کہ چل نکلی زمیں قایم مقامِ آسماں ہو کر

بنی آدم میں اتنے مہرطلعت ہو گئے پیدا
کہ چل نکلی زمیں قایم مقامِ آسماں ہو کر

دکھا کر ابرو و مژگاں نظر ان کی یہ کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحبِ تیغ و سناں ہو کر

بٹھا رکھا ہے اُس نامہرباں نے منتظر کر کے
خدا سے ہے مجھے اُمید اٹھا لے مہرباں ہو کر

لطیف الطبع تیز و تند رنگین و نشاط افزا
تمھیں سی ہو گئی ہے دخترِ رز بھی جواں ہو کر

کیا افسردہ ناقہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہو کر
طبیعت رُک گئی افسوس معنی آفریں ہو کر

ہجومِ یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر درِ دل سے حزیں ہو کر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

دل اُس بتِ فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اُس کی ہے شان اور

کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اُس کی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگِ انجمن
تہذیبِ مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میلِ نظر ہے زلفِ مسِ کجکلاہ پر
سونا چڑھا رہا ہوں میں تارِ نگاہ پر

اچھا ہوا مقابلہ برقِ حسن و عشق
اُن کو ہنسی جو آ گئی عاشق کی آہ پر

یا شہید جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین بچنے کا نہیں اِن صورتوں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یا درِ بتخانہ چھوڑ

نگاہ اُس بتِ بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش
کہا جو اس سے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
مُنہ اُسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہلِ مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع
ایک ہے پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع
علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
صلح ہوتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف
میں پھنسانے لگا کیوں دامِ بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اُس زلفِ چلیپا کی طرف
دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
انکی چالیں تو لئے جاتی ہیں اعدا کی طرف
جوشِ گریہ ہے یہ کیوں موسمِ پیری میں مجھے
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک
تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک
کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھکو دکھا دو تو بھلا ایک
اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہوگی شکستہ جو کبھی رخ نہ رہا ایک
یارب رہے جمعیتِ مسلم یونہیں قائم
رُخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہِ عقلِ رسا دور دور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوجِ حضور تک
جامِ مئے الست سے ایسی تھی بے خودی
ہستی کا اپنی حس نہوا نفخِ صور تک

کھنچی ہے نیم اُس سفاک کی تیغِ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامیِ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں دو دل بھی نہیں ایک
دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جانِ حزیں ایک
پھر ایک کو دو تم نے کیا تیغِ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمہیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

نگاہ اُس بتِ بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش
کہا جو اُس نے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ
مُنہ اُسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہلِ مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع
ایک ہے پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے
سب نزاعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع
علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
صلح ہوتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف
میں پھنسانے لگا کیوں دامِ بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اُس زلفِ چلیپا کی طرف
دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
انکی چالیں تو لئے جاتی ہیں اعدا کی طرف
جوشِ گریہ ہے یہ کیوں موسمِ پیری میں
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک
تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک
کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھکو دکھادو تو بھلا ایک
اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہوگی شکستہ جو کبھی رخ نہ رہا ایک
یارب رہے جمعیتِ مسلم یونہیں قائم
رُخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہِ عقلِ رسا دُور دُور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوجِ حضور تک
جامِ مئے الست سے ایسی تھی بے خودی
ہستی کا اپنی حس نہوا نفخِ صور تک

کھنچی ہے نیم اُس سفاک کی تیغِ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامیِ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں دو دل بھی نہیں ایک
دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جانِ حزیں ایک
ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغِ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمہیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

اُنکی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں
اُن کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ

میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبرؔ
منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی تجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم
اُٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

فراق کی شب نہ ہو گی سحر اجل سے کہو کہ آئے ادھر
عذاب میں ہوں نجات ملے کہا تنا کہ اب سہو نہیں ستم

خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب سوئے عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم

نہیں کوئی شبِ تارِ فراق میں دل سوز
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم

زمانہ جسکو مٹائے بھلائے خلق جسے
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم

خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم

خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم

اخیر عمر میں آیا ہمیں خیالِ مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم

گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اُٹھاتے ہیں اس بت کی رام رام سے ہم

ہمیں ہے یاد وہ عہدِ الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم

چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپِ بے لگام سے ہم

خیالِ یار میں اُلجھا ہوا ہے تارِ نفس
کبھی نہ ہونگے رہا عاشقی کے دام سے ہم

جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہو گئے اس ماہِ ناتمام سے ہم

اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم

ملا نہ امن شبستانِ دہر میں دم بھر
چراغِ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم

اب اور چاہیے نیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

اُنکی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں ۔ میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام
اُن کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ ۔ میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبر
منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم ۔ اُٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم
فراق کی شب نہ ہو گی سحر اجل سے کہو کہ آئے ادھر ۔ عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تک اب سہوں میں ستم
خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے ۔ نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب سوادِ عدم

ہوئے ہیں مست مئے عاشقی کے جام سے ہم ۔ خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم
نہیں کوئی شبِ تارِ فراق میں دل سوز ۔ خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم
زمانہ جسکو مٹائے بھلائے خلق جسے ۔ عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشانِ نام سے ہم
خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی ۔ ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم
خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر ۔ یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم
اخیر عمر میں آیا ہمیں خیالِ مآل ۔ بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم
گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک ۔ کہ لطف اُٹھاتے ہیں اس بت کی رام رام سے ہم
ہمیں ہے یاد وہ عہدِ الست اے غافل ۔ بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم
چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات ۔ بہت ہی تنگ ہیں اس اسپ بے لگام سے ہم
خیالِ یار میں اُلجھا ہوا ہے تارِ نفس ۔ کبھی نہ ہونگے رہا عاشقی کے دام سے ہم
جنہیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی ۔ تمام ہو گئے اس ماہِ ناتمام سے ہم
اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی ۔ ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم
ملا نہ امن شبستانِ دہر میں دم بھر ۔ چراغ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم
اب اور چاہئے نیٹو کے واسطے کیا بات ۔ یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں

لن ترانی نہیں ہے مانعِ عشق
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں

آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گزرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتیٔ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار
سننے والے ملتے ہیں دردآشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
اُن کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب وصفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے
کہدو بے اسکے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہلِ ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزلِ عشق و توکل منزلِ اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بارِ تکلیفوں کا مجھ پر بارِ احساں سے ہے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے
شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
لن ترانی نہیں ہے مانعِ عشق
آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج

سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں
میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں
شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گذرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں
غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں
کشتیٔ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر
ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں
غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار
سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں
زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
اُن کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں
صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں
پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں
شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں
زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے
کہدو بے اسکے جوانی کا مزا ملتا نہیں
اہلِ ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال
میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں
چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن
ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں
منزلِ عشق و توکل منزلِ اعزاز ہے
شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں
بارِ تکلیفِ دلی کا مجھ پہ بارِ احساں سے سہل
شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

تو خود انکو لکھ عریضہ نہ کر انتظار اکبر
انھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحنِ بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماج کی دھن

یہ کلاک اپنے سروں میں تو بجا کرتی ہے
مفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں واچ کی دھن

نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتیں کو شرم
سازِ مضرب سے مگر ہو گئی اب ناچ کی دھن

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
کبھی طبع میں موج سماتی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں

مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر اُسکے سوا یہ عزیز نہیں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں اُنھیں اور اُنھیں پہ میں اُسکو نثار کروں

کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے کبھی آئینہ ہے کبھی قطرہ خوں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ دل کا جو رنگ اُسے کونسے میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں زن نہیں زمیں نہیں اور زر نہیں

مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں

اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھسے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں

جس سے دل رنجور کو پہونچی ہے اذیت
پھر اُس کا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں

اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں

افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جان اہل جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
اس محل پر راز دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں

ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخود
جب خدا ہی ہو گیا حاضر تو ناظر کیا کریں

تو خود انکو لکھو عریضہ نہ کر انتظار اکبر
انھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
یہ کلاک اپنے سروں میں تو بجا کرتی ہے
نغمہ سنجی سے کبھی آتی تھی خواتیں کو شرم

لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماج کی دھن
مفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں واچ کی دھن
سازہ ضرب سے مگر ہوگئی اب ناچ کی دھن

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہان کو پیار کروں
مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر اُسکے سوا یہ عزیز نہیں
کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں

کبھی طبع میں سوجھ سماتی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں اٹھیں اور اُنھیں بیچ میں اسکو نثار کروں
یہ ہے صفحہ دہر پہ دل کا جو رنگ اُسے کونسی مد میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں

یاں زن نہیں زمیں نہیں اور زر نہیں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
جس سے دل رنجور کو پہونچی ہے اذیت
اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے

سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں
مجھسے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں
پھر اُسکا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جان اہل جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
ہیں کلکٹر نزع میں علمے کھڑے ہیں دم بخود

اس محل پر راز دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں
جب خدا ہی ہوگیا حاضر تو ناظر کیا کریں

تاکہ جہاں کے ما ... شمیر ... ہو نہیں بسر
جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ پیار میں

دولتِ دانش شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقیں
خرمنِ خس بھی شعلہ ہے تابشِ اعتبار میں

کھلتے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بے کلی
حسن تو ہے ابھار پر عشق ہے انتظار میں

ذکر ابھی کو بکو پھیلی ہے بات پیار سو
آتی ہے کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوا کوئے یار میں

سینے میں کیوں خلش ہے یہ جان ہے کیوں طپش ہے یہ
عقل کی سرزنش ہے یہ دل کو رکھ اختیار میں

الفتِ زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے
بحر بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں

بھونرے ہیں مست بوئے گل تیتریاں ہیں سوئے گل
سب کو ہے جستجوئے گل موسمِ خوشگوار میں

سنبلِ تر پہ خوب ہے جلوۂ شبنمِ لطیف
زلفِ پری کے تار ہیں گوہرِ آب دار میں

دورِ شراب لالہ فام کیوں نہ ہو لالہ زار میں
کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں

باد صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
شاخوں کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں

ہو اثرِ سرور سے کیف میں ہو ہر ایک شے
دل میں ہو زمزموں کی لے بولیں بجیں ستار میں

آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں
پھر کبھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں

عشق میں نفع ہے ضرور اشک گریں تو ہے گہر
یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل کے اعتبار میں

عشق ہو کس طرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں
کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بے بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

بیگانہ سرور سے ہے وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

اُس رخ پہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو
بے اسکے طہارت دل کی نہیں بے اسکے نگاہ بھی پاک نہیں

رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہے دل میں مدت سے
زنار پرستی باقی ہے اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں

ہے مستیِ عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں ویسے
حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجھکو تاک نہیں

صورت کی ہوائیں جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بےخبری
ہیں کام تو انکے صاف بہت نیت کے مگر یہ پاک نہیں

پلٹیں یہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں
کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

تاکہ جہاں کے ماندہ خواہش میں زندگی ہو یونہیں بسر
جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ و پیار میں

دعوتِ رازشِ شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقیں
خرمنِ خس بھی شعلہ ہے تابشِ اعتبار میں

کھلتے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بے کلی
حسن تو ہے ابھار پر عشق ہے انتظار میں

ذکر اب ہے کو بکو پھیلی ہے بات پیار سو
آتی ہے کچھ جنوں کی بو بیٹھا ہوں کوئے یار میں

سینے میں کیوں خلش ہو یہ جان ہی کیوں ملیش ہو یہ
عقل کی سرزنش ہو یہ دل کو رکھ اختیار میں

الفتِ زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے
بحر بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں

بھونرے ہیں مست بوئے گل تیتریاں ہیں سوئے گل
سب کو ہے جستجوئے گل موسمِ خوشگوار میں

سنبلِ تر پہ خوب ہے جلوۂ شبنم لطیف
زلفِ پری کے تار ہیں گوہر آب دار میں

دور شراب لالہ فام کیوں نہ ہو لالہ زار میں
کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں

باد صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
شاخوں کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں

ہو اثرِ سرورِ مے کیف میں ہو ہر ایک شے
دل میں ہو زمزموں کی لے بول بجیں ستار میں

آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں
پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں

عشق میں نفع ہے ضرور اشک گرے تو ہے گہر
یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل کے اعتبار میں

عشق ہو کسطرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں
کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بے بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

بیگانہ سرور سے ہے وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمہ وہ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

اُس رخ پہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو
ہے اسکے طہارت دل کی نہیں ہے اسکے نگاہ ہی پاک نہیں

رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہو دل میں مدت سے
زنار پرستی باقی ہے اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں

ہے مستیٔ عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں کسلے
حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجھکو تاک نہیں

صورت کی ہیں آنکھیں جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بیخبری
ہیں کام تو انکے صاف بہت نیت کے مگر یہ پاک نہیں

پلٹیں یہ نگاہیں لاکھ طرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں
کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں

سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کسطرح
ہوش ہی اُسوقت میں اے مشفق من تھا کہاں

دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کرلیا ہمنے ازل میں شوق سے عہد الست
پیش چشم اُسوقت یہ دیر برہمن تھا کہاں

دہر میں خارِ تعلق سے اُلجھتا کس طرح
کرچکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

میں نے وفور شوق میں شاید سنا نہ ہو
یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال
دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دست جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا زود رنج ہو کہ نہیں کوئی معترض
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں
جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہِ شوق کا اللہ رے اثر
معشوق بھول جاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
سچ پوچھئے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ
نورِ جبیں کہاں ہو جو داغِ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں ہمیں زیر زمیں تو کچھ نہیں
زندگی جبتک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور
میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
لیکن اسکے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں

اُن کا گھر اور اُن کی باتیں دیکھکر کہنا پڑا
قصر عالیشان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں — اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں

سامنے وہ تھے تو کہتا حالت دل کسطرح — ہوش ہی اُسوقت میں اے مشفق من تھا کہاں

دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا — آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کرلیا ہمنے ازل میں شوق سے عہد الست — پیش چشم اُسوقت یہ دیر برہمن تھا کہاں

دہر میں خار تعلق سے اُلجھتا کس طرح — کرچکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے ناز تیں نہیں — تو سر جھکے ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

ہیں سے وفور شوق میں شاید سنا نہ ہو — یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال — دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دست جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا — دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا ذوق طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض — کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں — جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر — معشوق بھول جاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے — اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا — سچ پوچھئے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ — نور جبیں کہاں ہو جو داغ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں ہمیں زیر زمیں تو کچھ نہیں — زندگی جبتک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور — میں یہ کہتا ہوں کہ لے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو — لیکن اسکے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں

اُن کا گھر اور اُن کی باتیں دیکھکر کہنا پڑا — قصر عالیشان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں ٹہرتے ہیں

تحیر آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب جنس پھر طبع کا کیوں رخ بدلتے ہیں
حسین ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں

عوض قرآن کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزم معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غمزوں سے جلتے ہیں

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں

موسیقی و شراب و جوانی و حسن ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل انکو کیا ایک سے جو افسانہ حسرت کہتے ہیں
عاقل تو وہی ہیں اے اکبر جو سنتے ہیں اور چپ رہتے ہیں

ہے شاق جدائی انکو ہی جو دن رات پریشان رہتے ہیں
ہم آپ کو بیحد چاہتے ہیں دل سے ہیں فدا سچ کہتے ہیں

ہے پاس شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں
پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم انکی سستی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب ان کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلماں گھلے جاتے ہیں

داغ اب ان کی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

علم نے رسم نے مذہب نے جو کی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں

شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں
پیچ دستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمہیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محو حور جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

میرے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جسکو سارا قصۂ عہد جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہد پیری میں جو وہ ناشاد ہو

ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں رہتے ہیں

تحیر آپ کی غزلوں پہ آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رخ بدلتے ہیں
حسین ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں میں چلتے ہیں

عوض قرآن کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزم معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غمزوں سے جلتے ہیں

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں

موسیقی و شراب و جوانی و حسن ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل انھیں کیا ایک سے جو افسانۂ حسرت کہتے ہیں
غافل تو وہی ہیں اے اکبر جو ہنستے ہیں اور چپ رہتے ہیں

ہے شاق جدائی ایسی دن رات پریشاں رہتے ہیں
ہم آپ کو بیجا چاہتے ہیں دل سے ہیں فدا سچ کہتے ہیں

ہے پاس شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں
پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم انکی سستی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب ان کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلماں گھلے جاتے ہیں

داغ اب ان کی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

علم نے رسم نے مذہب نے جو کی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں

شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں
پیچ دستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمہیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ حور جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مئے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جسکو سارا قصۂ عہد جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہد پیری میں جو وہ ناشاد ہو

جھوٹ ہے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز
دل جہاں ہوگا، ہاں عشق بھی ہوگا پیدا
ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ
آپ کی آنکھ میں کس شے نے یہ بھرا ہے جادو
کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار

ہو نہ کچھ اور یہ اتنا تو مسلمان میں ہو
خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو
کہہ دو ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو
اسکا ایجا ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو
اٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہے دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
پیٹ میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جسکو یقیں نہ ہو

گرم نظارہ ہر اک سمت سر راہ نہ ہو
شارح معنی حسن محبت دل خواہ نہ ہو
یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصود دیکھا م
یہ چمک اسکی ہے اے جاں تمہارے دم سے
قلقل شیشہ کو سنیے تو ذرا حضرت شیخ
جانتا ہوں میں شب وصل کی کوتاہی کو
یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
اک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
بے رخی اس بت کمسن کی نہیں باعث یاس
کیوں گلابی کے عوض پینا ہے جو ڑا کا ہی
شیخ کہتا ہے برائی بت خوش رو کی کرو
چشم کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا
اک ترحم کی نظر یار نے کی ہے آخر

رہزن عقل کوئی صورت دل خواہ نہ ہو
فہمیں قاصر نہ ہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو
اس کی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو
تم جو پہلو میں نہ ہو لطف شب ماہ نہ ہو
دیکھیے تو کہیں اس قتل میں ہو اللہ نہ ہو
یہ دعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہ ہو
اسکا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو
نظر شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو
طعنہ زن گل پہ مری جاں کہیں کاہ نہ ہو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو
دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

ق

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
غالباً جاڑوں میں یوں بھی اُنھیں اکراہ نہ ہو

جوششِ گریۂ پیہم کا ہے باعث رخِ یار
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہ ہو جو۔ وہ مرا دشمن ہے
نہ ملے مجھسے وہ۔ اُس کا جو بھی خواہ نہ ہو

سالکِ راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شایق احباب
میں تو خوش ہوں اگر افزایش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا بادِ صبا بھی صدقے
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو

نرگسِ مست تری قاتلِ عالم نکلی
کہیں صیادِ اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آنی ہے شبِ ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

منتوں کی اُدھر افراط اِدھر کھٹکوں کی
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو

زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کردے ہندی
لام کی جا کہیں لا اے مرے اللہ نہ ہو

مردِ آزاد ہو مجھ سے یہ تکلف کیسا
بس مرے ساتھ تو یہ اللہ و باللہ نہ ہو

دسترس صید پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہ ہو
شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو

ذوقِ آرام بجا شوقِ تعلّی بے جا
طلبِ رزق ہو لیکن ہوسِ جاہ نہ ہو

دل کو ہے عشقِ حقیقی نہیں ہوتی حرکت
وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو

خیرخواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

مجھکو تمکیں رہے نفرت ہو سبک وضعی سے
صورتِ کوہ ہو انسان صفتِ کاہ نہ ہو

شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزلِ یوسف میں نہ رکھ اے طالب
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

ق

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند
غالباً جاڑوں میں یوں بھی انھیں اکراہ نہ ہو

جوششِ گریۂ پیہم کا ہے باعث رخِ یار
جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ
رونق آجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہ ہو جو۔ وہ مرد دشمن ہے
نہ ملے مجھسے وہ۔ اُس کا جو بھی خواہ نہ ہو

سالکِ راہ محبت کو خرد سے کیا کام
وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شایق احباب
میں تو خوش ہوں اگر افزایش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا بادِ صبا بھی صدقے
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو

نرگسِ مست تری قاتلِ عالم نکلی
کہیں صیادِ اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آنی ہے شبِ ہجر تو آجائے اجل
ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

منتوں کی اُدھر افراط اِدھر کھٹکوں کی
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو

زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کردے ہندی
لام کی جا کہیں لا اے مرے اللہ نہ ہو

مرد آزاد ہو مجھ سے یہ تکلف کیسا
بس مرے ساتھ تو یہ اللہ و باللہ نہ ہو

دسترس صید پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہ ہو
شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو

ذوقِ آرام بجا شوقِ تعلّی بے جا
طلبِ رزق ہو لیکن ہوسِ جاہ نہ ہو

دل کو ہے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت
وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو

خیرِ خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

تجھکو تمکیں رہے نفرت ہو سبک وضعی سے
صورتِ کوہ ہو انسان صفتِ کاہ نہ ہو

شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزل یوسف میں نہ رکھ اے طالب
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشق بتاں میں اکبر ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم شیخ حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں سے شعر نہ چھینئے سب کا خلاصہ مجھسے سنئے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

ٹر کے کھینچی ہے دست نجس سے بوئے بدبھی آتی ہے اس سے
ایسی چیز سے بھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمن گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیب زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے لے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

تعلق تجھسے بیخبر ہے دستے خیر خالق کو تو
تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں ہی بستر پہ پڑا نہ رہ
اکبر جو تجھکو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصد سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

نام خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
چودہ شبیں وہاں ہیں تو یاں سال چاردہ

یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ
یوں بابوان ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی موج میں ہے ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہو گیا
تھا سخت اسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پر نہ لادئیے لے امتیاز بوجھ

جو کر دے حسن کو مشتاق زبیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

سدا خون جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشق بتاں میں اکبر ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم شیخِ حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں سے شعر نہ چھنئے سب کا خلاصہ مجھسے سنئے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

ٹر کے کھینچی ہے دست نجس سے بوئے بد بھی آتی ہے اس سے
ایسی چیز سے بھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمنِ گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیبِ زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے لے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

خلق تجھسے بیخبر ہے وسنے خیر خالق کو تو
تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں سر بستر پڑا نہ رہ
اکبر جو تجھکو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصد سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

تمام خدا پڑھتے ہیں کہیں آپ بدر سے
جو وہ نشیں وہاں ہیں تو یاں سال چار دہ

یہ عشوہ یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ
یوں بابوانِ ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی موج میں ہے ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہو گیا
تھا سخت اسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پہ نہ لادئے بے امتیاز بوجھ

جو کر دے حسن کو مشتاق و بیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

سنا خونِ جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلا بھی
اب اُسکو بھلا دو کچھ اگر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطعِ رہِ توحید
دو ہو گیا اِک آن میں جو کا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامتِ زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
پسنے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی بھی یہ واعظ کے ہے تلووں پہ بھی آنکھے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینئ باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجکو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھکو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

۴

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اُٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اُٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

پڑھی یادِ رخ میں جو میں نے نماز
عجب حُسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلا بھی
اب اُسکو بھلادو کہا گر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہِ توحید
وہ ہو گیا اِک آن میں جو کا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامتِ زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
پسنے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی بھی یہ واعظ کے ہے تلووں پہ بھی آنکھے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینئ باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجکو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھکو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

۴ سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اُٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اُٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

پڑھی یادِ رخ میں جو میں نے نماز
عجب حُسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے
تابش مری جبین پہ نورِ خدا کی ہے

حبِّ علی سے ہوگی دلوں کو شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیمِ صبا کی ہے

روبہ مزاجیاں سگِ دنیا کی دیکھ لیں
حسرت بس اب زیارتِ شیرِ خدا کی ہے

ق
صورت شگفتہ ہر گلِ رنگیں قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے

آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ
دنیا میں دھوم خوبیِ آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے
دمساز تانِ بلبلِ شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے بہ صد انبساطِ طبع
سنبل میں تاب یار کی زلفِ دوتا کی ہے

مرغانِ باغ وجد میں ہیں فرطِ شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنیں
کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک
پیدائش آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی
بت کو دیکھا تو مجھے یادِ خدا بھی آئی

ہوئیں آغازِ جوانی میں نگاہیں نیچی
نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعیِ شامِ شبِ فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اُٹھ گئی اُردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اسکی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹائے اے دوست
قوتِ دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقعِ بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے
تابش مری جبین پہ نورِ خدا کی ہے

حبِّ علی سے ہوگی دلوں کو شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیمِ صبا کی ہے

رو بہ مزاجیاں سگِ دنیا کی دیکھ لیں
حسرت بس اب زیارتِ شیرِ خدا کی ہے

ق

صورت شگفتہ ہر گلِ رنگیں قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے

آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ
دنیا میں دھوم خوبیِ آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے
دمسازِ تانِ بلبلِ شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے یہ صد انبساطِ طبع
سنبل میں تاب یار کی زلفِ دوتا کی ہے

مرغانِ باغ وجد میں ہیں فرطِ شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنیں
کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اُٹھے ملک
پیدائشِ آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی
بُت کو دیکھا تو مجھے یادِ خدا بھی آئی

ہوئیں آغازِ جوانی میں نگاہیں نیچی
نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعیِ شامِ شبِ فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اُٹھ گئی اُردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اسکی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکسیر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹائے اے دوست
قوتِ دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقعِ بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی

نکیں کو دیکھ کر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اس بزم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزتِ نام محمد ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصتِ فریاد تو دی

کیا ہوا شمعِ حرم تو نے بجھائی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

پھر رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تیری اکسیر نئی

پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تیری اکسیر نئی

کھوئے دیتے ہو جو تم مذہب ملت آباد
کیا سمجھتے ہو کہ مل جائیگی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دل شوق حضوری میں ہے بیتاب
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

اغیار کی کی آمد و شد آپ نے جاری
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص۔ گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا۔ صوتِ ہزار ہو چکی

نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا۔ کاوشِ خار ہو چکی

رنگِ بنفشہ مٹ گیا۔ سنبلِ تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستئ لالہ اب کہاں۔ اسکا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گذر گیا۔ آمدِ یار ہو چکی

رت وہ جو تھی بدل گئی۔ آئی لیس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیز من فصلِ بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

بُری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
مکیں کو دیکھکر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر

طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اُس بزم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزتِ نام محمدؐ ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
کیا ہوا شمعِ حرم تو نے بجھائی اے دوست

نہ دوا کی نہ سہی رخصتِ فریاد تو دی
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

بہرِ رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تیری اکسیر نئی

پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تیری اکسیر نئی

لکھوائے دیتے ہو جو تم مذہبِ ملت برباد
کیا سمجھتے ہو کہ مل جائیگی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دل شوقِ حضوری میں ہے بیتاب
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

اغیار کی کی آمد و شد آپ نے جاری
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص۔ گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا۔ صوتِ ہزار ہو چکی

نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا۔ کاوشِ خار ہو چکی

رنگِ بنفشہ مٹ گیا۔ سنبلِ تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستئ لالہ اب کہاں۔ اُسکا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گذر گیا۔ آمدِ یار ہو چکی

رُت وہ جو تھی بدل گئی۔ آئی لیس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشک تتار ہو چکی

اب تک اُسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیز من فصلِ بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمھاری پالسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی

شکستِ رنگِ مذہب کا اثر دیکھیں نئے مرشد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

۴

حسن ہے بیوفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسنِ قوم مگر
ساتھ ہی اُسکے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

دل مبتلائے غفلت تو ہے محوِ دیرِ فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اُسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے
نہ ہوائے ربِ ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق
کہ نہ بار لفظ اٹھائے گی نزاکتِ معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اُس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بتِ ترسا کا جمال
اسقدر کبر۔ یہ عشوے۔ یہ دھج۔ اللہ غنی

آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ غربی رینے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جائے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے اُنکے دربر
چست پتلوں پہننے پہ بھی پینڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمھاری پالسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالسی تو صاف ہے ایمان فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی

شکستِ رنگِ مذہب کا اثر دیکھیں نئے مرشد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

۴

حسن ہے بیوفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسن قوم مگر
ساتھ ہی اُسکے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

دل مبتلائے غفلت تو ہے محوِ دیرِ فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اُسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے
نہ ہوائے رب ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق
کہ نہ بار لفظ اٹھائے گی نزاکتِ معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اُس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بتِ ترسا کا جمال
اسقدر کبر۔ یہ عشوے۔ یہ وضع۔ اللہ غنی

آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ عزبی رینبے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جائے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے اُنکے دربر
چست پتلوں پہنے پہ بھی پینڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

علمِ یورپ کا ہوا میداں وسیع	رزق میں ہندی کے تنگی ہوگئی
کر دیا شرع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی	ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی
رنگِ حافظ پہ بہک جاتے ہیں اربابِ مجاز	یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی
فرقتِ یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا	میری نظروں میں تو رونی تھی برستی کیا تھی
میں تو جنت خانے میں گاہک نہ ہوا عزت کا	دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی
اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی	گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہوشی نکلی
غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے	جو دیکھی قال تو بس اس میں پندِ خامشی نکلی
وقتِ پیری آگیا اکبر جوانی ہو چکی	سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی
ہجر میں دل کی سزا اسے میرے جانی ہو چکی	ملئے اب بہرِ خدا نامہربانی ہو چکی
ایڑیوں تک پہونچی زلف اُنکی تو مجھکو کیا اُمید	راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی
وقتِ لطف و مہر ہے ایجاں عشوے چھوڑئیے	کیجئے دلداریاں - اب دلستانی ہو چکی
ضعف ایسا ہے تو قصدِ کوے جاناں کیا کروں	ہمت عالی لو تو نذرِ ناتوانی ہو چکی
رنگِ گلزارِ جہاں ہے ہاے کتنا بے ثبات	دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی
ایک عالم منتظر ہے بس الٹئے اب نقاب	کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہو چکی
عاشقیِ شاہدِ کالج ہے بربادیِ عمر	پاس تک پہونچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی
حضرتِ دل ہو گئے اس عہد میں جزوِ شکم	کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہو چکی
رفیقِ حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی	جو ہیں روباہ طینت اُنمیں شیری ہو نہیں سکتی
کسیکے ساتھ دنیا نے وفا کی ہی نہیں اب تک	تو میں کیوں ہو رہوں اُسکا جو میری ہو نہیں سکتی
کہوں جھومر کے ہوتے کیوں شبِ تارا اُنکی زلفوں کو	جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہوگی	یہ خاکِ جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرتِ اندر	مسِ مغرورِ لندن اُن کی چیری ہو نہیں سکتی

علم یورپ کا ہوا میداں وسیع	رزق میں ہندی کے تنگی ہو گئی
کر دیا شرع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی	ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی
رنگِ حافظ پہ بہک جاتے ہیں اربابِ مجاز	یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی
فرقتِ یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا	میری نظروں میں تو رونی تھی برستی کیا تھی
میں تو بُت خانے میں گاہک نہ ہوا عزت کا	دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی
اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی	گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہوشی نکلی
غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے	جو دیکھی قال تو بس اس میں بند خاموشی نکلی
وقت پیری آگیا اکبر جوانی ہو چکی	سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی
ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہو چکی	ملیئے اب بہر خدا نامہربانی ہو چکی
ایڑیوں تک پہونچی زلف اُنکی تو مجھکو کیا اُمید	راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی
وقتِ لطف و مہر ہے ایجاں عشوے چھوڑیے	کیجئے دلداریاں ۔ اب دلستانی ہو چکی
ضعف ایسا ہے تو قصدِ کوئے جاناں کیا کروں	ہمت عالی لو نذرِ ناتوانی ہو چکی
رنگِ گلزارِ جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات	دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی
ایک عالم منتظر ہے بس الٹئے اب نقاب	کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہو چکی
عاشقیِ شاہدِ کالج ہے بربادیٔ عمر	پاس تک پہونچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی
حضرتِ دل ہو گئے اس عہد میں جزو شکم	کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہو چکی
رفیقِ حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی	جو ہیں روباہ طینت اُنمیں شیری ہو نہیں سکتی
کسیکے ساتھ دنیا نے وفا کی ہی نہیں اب تک	تو میں کیوں ہو رہوں اُسکا جو میری ہو نہیں سکتی
کہوں جھومر کے ہوتے کیوں شبِ تار اُنکی زلفوں کو	جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہو گی	یہ خاکِ جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
محبت اپنی ہی پریوں سے رکھیں حضرتِ اندر	مس مغرورِ لندن آن کی چیری ہو نہیں سکتی

ہم اُن کی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے

بت خانے میں کچھ فیض نہ ہوگا تمہیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکر خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنونِ عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو باخدا ہوتے

بیانِ تخلیہ میں اُن کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حسن ہے کیسے سب ہیں تیرے محوِ جمال
کبھی سنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینانِ جیں کی پابندی
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ خفا نہیں ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرض حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جس نے آنکھ ہمیں دی ہے وہ قابلِ دید
پھر اُس کو چھوڑ کے کیا محوِ ماسوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشقِ خدا ہوتے

دلوں کو الفتِ دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گناہگاروں نے دیکھا جمالِ رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمالِ انساں سے
تو کاش دخترِ رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرتِ ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاقِ عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ آنکھ سے بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائلِ جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دوست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

ہم اُن کی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے

بت خانے میں کچھ فیض نہ ہوگا تمہیں اکبر
تم یاں کبھی بجز ذکر خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنون عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو باخدا ہوتے

بیانہ تخلیہ میں اُن کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حسن ہے کیسے سب ہاں تیرے محوِ جمال
کبھی سنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینانِ چیں کی پابندی
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ خفا نہیں ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرض حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جس نے آنکھ نہیں دی ہے وہ قابلِ دید
پھر اُس کو چھوڑ کے کیا محوِ ماسوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشقِ خدا ہوتے

دلوں کو الفتِ دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گنا ہگاروں نے دیکھا جمال رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمال انساں سے
تو کاش دخترِ رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرتِ ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ آنکھ بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائلِ جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دوست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

طریقِ عشق میں دل خضر بن کے چھپتا یا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے

زبان و چشم بتاں کا نہ پوچھئے عالم
وہ شوخیوں کے لئے ہے یہ ہے حیا کے لئے

خرابِ دل کو جو اُس نے کیا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اُسی چشم فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

از راہِ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو ٹیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے

ٹیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے

ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم اِن سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمنِ دہر سے دل سرد ہوا جاتا ہے

علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے

ہو رہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل تو آپ اک دن خراب ہونگے

ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے

ڈنر کا مجھکو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضور عالی جناب ہونگے

بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پہ ہیں قائم
جو بے اصولی کے ہیں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہونگے

خواہشِ زر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر رنجِ معائب ہو گئے

بوسے ہی تک ہم تو پہنچے تھے ردِ تہذیب میں
کھائی وہ منہ کی کہ اب اُس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرق مراتب ضرور ہے

بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے

دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تعذیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے

کرتا ہے حقارت کی نظر پیرِ مغاں بھی
افسوس اگر اُن سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

طریقِ عشق میں دل خضر بن کے پچھتایا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے

زبان و چشمِ بتاں کا نہ پوچھئے عالم
وہ شوخیوں کے لئے ہے یہ ہی حیا کے لئے

خرابِ دل کو جو اُس نے کیا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اُسی چشمِ فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

از راہِ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو ٹیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے

ٹیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندرے سے خدا ہو نہیں سکتے

ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم اِن سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رُخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمنِ دہر سے دل سرد ہوا جاتا ہے

علم و تقوی پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے

ہو رہی ہے مری فریاد کی اُلٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بُت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل تو آپ اک دن خراب ہونگے

ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے

ڈنر کا مجھکو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضور عالی جناب ہونگے

بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پہ ہیں قائم
جو بے اصولی کے ہیں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہونگے

خواہشِ زر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر رنجِ معائب ہو گئے

بوسے ہی تک ہم تو پہونچے تھے رہِ تہذیب میں
کھائی وہ مُنہ کی کہ اب اُس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرقِ مراتب ضرور ہے

بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے

دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تقدیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے

کرتا ہے حقارت کی نظر پیرِ مغاں بھی
افسوس اگر اُس سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے

راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار۔ مری جاں یہ کوئی بات بھی ہے

لطفِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے مملکتِ کائنات سے
جسکی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کہ پیش آئے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ بے چین تھے ہم رات ایسے

میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے

انکو واپس کیا یہ کہہ کے کہ تائب ہوئے وہ
ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بدذات ایسے

دشمنِ دیں سے تمہیں ہوگی کچھ امید فلاح
ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے

اے دل اُس ابرو و مژگان و نظر سے دب جا
صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث سے پھیر کے طاعت پہ کریں دل کو رجوع
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہلِ کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حسن بندش تو یہ اور اُس پہ خیالات ایسے

کٹے ملت سے جو۔ دیکھے گی دنیا انکو عبرت سے
گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

قیامت کر رہی ہیں لعبتانِ مغربی اکبر
تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسنِ یکبنی ہے اُسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہلِ قوم کے سہم
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج[1] سے

اکبر کچھ آ رہے ہو نظر بند بند سے
آخر ضرر ہوا تمہیں ناصح کی پند سے

سرا ہے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام
یہاں بھی کیا کوئی آن کر ٹھہرتا ہے

---

[1] لاج اب متروک ہے۔

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے

راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار۔ مری جاں یہ کوئی بات بھی ہے

لطفِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے مطلقاً کائنات سے
جسکی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کہ پیش آئے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ بے چین تھے ہم رات ایسے

میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے

انکو واپس کیا یہ کہہ کے کہ تائب ہوئے وہ
ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بدذات ایسے

دشمنِ دیں سے تمھیں ہوگی کچھ امید فلاح
ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے

اے دل اس ابرو و مژگان و نظر سے دب جا
صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث سے پھیر کے طاعت پہ کریں دل کو رجوع
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہلِ کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حسن بندش تو یہ اور اسپہ خیالات ایسے

کٹے ملت سے جو۔ دیکھے گی دنیا انکو عبرت سے
گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

قیامت کر رہی ہیں لعبتانِ مغربی اکبر
تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسنِ بمبئی ہے اسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہلِ قوم کے بہم
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے

اکبر کچھ آرہے ہو نظر بند بند سے
آخر ضرر ہوا تمھیں ناصح کی پند سے

سرا سے دھر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام
یہاں بھی کیا کوئی دل آن[۱] کر ٹھہرتا ہے

[۱] اب متروک ہے۔

کیجئے رشوت ستانی سے گزارا پر ہنر آپ
خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
یہ نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

ٹیمز میں ممکن نہیں نظارۂ موجِ فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اُس بحرِ خوبی سے نہ ہو سکے اگر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سوزِ رنگِ تصور میں ہم اے جان در آئے
ہر رنگ میں تم آفتِ ایمان نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھکو
ناصح سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر لوٹ کر آئے

بے رونقیٔ انجمنِ عشق نہ چاہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالبِ گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مروں گا میں حور ہی کے لئے
حسین بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کے لئے

کوئی گناہ ہو مدِ نظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

خلافِ شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میرے بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دل پہ مرے ہیں آنکے دانت میں ہوں لب انکے چوستا
دولتِ وصلِ یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اُس میں جب اک اگر بھی ہے

دنیا میں سب بے خبر ہے جو پروردگار سے
شائد ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانعِ ازل تری قدرت کے میں نثار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ
خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

ٹیمز میں ممکن نہیں نظارۂ موجِ فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اُس بحرِ خوبی سے نہ ہو سکے اگر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سو رنگ تصور میں ہم اے جان در آئے
ہر رنگ میں تم آفتِ ایمان نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھکو
ناصح سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر لوٹ کر آئے

بے رونقیٔ انجمنِ عشق نہ چاہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالبِ گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مروں گا میں حور ہی کے لئے
حسین بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کے لئے

کوئی گناہ ہو مدِ نظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

خلافِ شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کے لئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میرے بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دل پہ مرے ہیں اُنکے دانت میں ہوں لب اُنکے چوستا
دولتِ وصل یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری اُمید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اُنہیں جب اک اگر بھی ہے

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانعِ ازل تری قدرت کے میں نثار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

جو قانع ہے کسی دن اُنکی قسمت لڑہی جاتی ہے
جو اہلِ حرص ہیں اُن پر مصیبت پڑہی جاتی ہے

حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑہی جاتی ہے
دل آہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑہی جاتی ہے

جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اُسکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیونمیں سڑہی جاتی ہے

گلستاں میں گلِ رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماسِ شبنم جڑہی جاتی ہے

ہے قوم جسم سلطنت اُسمیں ہے مثلِ روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعیِ شغال و گرگ سے جنبش ہوئی اگر
نافہم سمجھے قوم میں خود انتعاش ہے

البتہ زندگانیِ شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہے

پیمانہائے ساختۂ شاہِ وقت پر
محدود و طالبین کی فکرِ معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزوِ غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا
اُس پہ بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اُسکو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتے ہیں زلفوں سے ہیں گو ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی ان کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس مسِ شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھکو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثلِ بلبل زمزموں کا خود بیاں اک رنگ ہے
ان دنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطربِ شیریں نوا
ہر نفس سینے میں یک موجِ صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہے مرا عکسِ جمالِ روئے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گلِ خوش رنگ ہے

لوحِ دل ہر جنبشِ مژگاں سے ہے معنی پذیر
ہر رگِ اندیشہ نقشِ خامۂ اژرنگ ہے

ہر حبابِ بحرِ جوشِ طبع ہے اک آسماں
دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہمسنگ ہے

عکس تیرا پڑکے اس میں ہوگیا پاکیزہ تر
اے بتِ کافر مری آنکھوں میں فیضِ گنگ ہے

نظمِ اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ میرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے

اُن کی نگہِ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر ہیں حافظ کی غزل سے

اور اک نے آنکھیں شبِ اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنیٔ صبحِ ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسنِ عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت مرے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے

درجہ متحیر کا ہے بے خود سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحث کہنہ و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روزِ ازل سے

ہو دعویٰ توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرزِ عمل سے

مذہب ہی سے حفاظتِ توحید ہے اے عزیز
نادان ہے گواڑ ہٹائے جو چول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمالِ فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اسطرف کو رُخ
تخصیص سر و سے ہے نہ وحشت ببول سے

ہرگز اُس انجمن کو نہ سمجھو مُمدِّ قوم
خالی ملے جو ذکرِ خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یوں ہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

ہر تصور ہے مرا عکسِ جمالِ روئے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گلِ خوش رنگ ہے

لوحِ دل ہر جنبشِ فرگاں سے ہے معنی پذیر
ہر رگِ اندیشہ نقشِ خامۂ اثر رنگ ہے

ہر حبابِ بحرِ جوشِ طبع ہے اک آسماں
دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہمسنگ ہے

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بتِ کافر مری آنکھوں میں فیضِ گنگ ہے

نظمِ اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

اُلجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے

اُن کی نگہِ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

اور اک وہ آنکھیں شبِ اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنیٔ صبحِ ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسنِ عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت مرے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے

درجہ متحیر کا ہے بے خود سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحث کہن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روزِ ازل سے

ہو دعوی توحید مبارک تمھیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرزِ عمل سے

مذہب ہی سے حفاظتِ قومی ہے اے عزیز
نادان ہے گوارا ہٹائے جو چول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمالِ فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آئے میرے کروں اسطرف کو رخ
تخصیص سر و سے ہے نہ وحشت ببول سے

ہرگز اُس انجمن کو نہ سمجھو ممدِ قوم
خالی ملے جو ذکرِ خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یوں ہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اسطور سے زیبِ رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے

گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصلِ فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہِ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

پیشِ نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوے معنبر یہ چشمِ سحر آگیں
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہے ستم ہے

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع مہنت صاحب
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

یہی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

اسبابِ انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے

جانے کی اُس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مچلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمہارے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اسطور سے زیبِ رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے

بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے

گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصلِ فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے

اس تجارت گاہ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

پیشِ نظر صنم ہے بس عاشقی کا غم ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے

یہ گیسوے معنبر یہ چشم سحر آگیں
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہے ستم ہے

سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع مہنت صاحب
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

یہی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

اسبابِ انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے

جانے کی اس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مچلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمہارے

دیوانہ نہ سمجھے ہمیں وہ سمجھے شرابی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہماں

اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کریں گے
آئیں گے تو مجھ پہ کوئی احساں نہ کریں گے

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
اُٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر

تا چرخ بھی پہونچ کے وہ شیطان ہی رہے
پیشِ صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

بُتِ ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
نہیں ہے دل ہی پہ صرف آفت بیاں تو خطرے میں دین بھی ہے

اگرچہ مغرب سے سازِ دل ہے مرا آہنگ مشرقی ہوں
اگر پیانو ہے انجمن میں محلِ خلوت میں بین بھی ہے

رعایتِ لعلِ لب سے میں نے کہا اُسے مالکِ بدخشاں
تو بولا تیوری چڑھا کے دیکھو جبیں کے قبضہ میں چین بھی ہے

ہمارے جھگڑوں کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
کہ جیب میں زر ہے گھر میں زن ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے

ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور اُنکی سوئی بھی ہے وہ آفت
کہ صاف بھی ہے حیا بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے

دعا کو بھی وہ کبھی ہے اُٹھتا اسے ہے دن رات صرفِ چکر
خدا کی قدرت کے کارخانے میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقشِ ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

دیکھا نہیں کسی نے اُس یارِ نازنیں کو
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے

روحانیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
اُسمیں وہی وہی تھا اسمیں ہمیں ہمیں ہیں

تصدیق سے قریں ہے کیونکر ترا تصور
اک لفظِ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و عبرت کا مضموں ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگِ بزمِ اکبر اب کہاں ٹھہرے ہے اُٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیرِ سکونِ جانِ محزوں ہے

فتنہ اُٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے

کیوں نہ اس سے مرا دل اے بتِ بدظن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے

بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
اُٹھ گئے رشک سے پھر پاس نہ دشمن بیٹھے

شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

دیوانہ نہ سمجھے ہمیں وہ سمجھے شرابی
اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کریں گے
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہماں
آئیں گے تو مجھ پہ کوئی احساں نہ کریں گے

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
تا چرخ بھی پہونچ کے وہ شیطان ہی رہے
اُٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر
پیشِ صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

بتِ ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
نہیں ہے دل ہی پہ صرف آفت یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے
اگرچہ مغرب سے سازِ دل ہے مرید آہنگ مشرقی ہوں
اگر پیانو ہے انجمن میں محلِ خلوت میں بین بھی ہے
رعایتِ لعلِ لب سے میں نے کہا اُسے مالکِ بدخشاں
تو بولا تیوری چڑھا کے دیکھو جبیں کے قبضہ میں چین بھی ہے
ہمارے جھگڑوں کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
کہ جیب میں زر ہے گھر میں زن ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے
ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور اُس کی سوئی بھی ہے وہ آفت
کہ صاف بھی ہے حیا بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے
دعا کو بھی وہ کبھی ہے اُٹھتا اسے ہے دن رات صرف چکر
خدا کی قدرت کے کارخانے میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقشِ ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے
دیکھا نہیں کسی نے اُس یارِ نازنیں کو
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے
روحانیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
اُسمیں وہی وہی تھا اسمیں ہمیں ہمیں ہے
تصدیق سے قریں ہو کیونکر ترا تصور
اک نقطۂ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و عبرت کا مضموں ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگِ بزمِ اکبر اب کہاں ٹھہرے اُٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیرِ سکونِ جانِ محزوں ہے

فتنہ اُٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے
کیوں نہ اس سے مرا دل لے بتِ بدظن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
اُٹھ گئے رشک سے پھر پاس نہ دشمن بیٹھے
شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے | وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی | بڑھاپے میں نتیجے اسکے یہ نادان دیکھیں گے

حسینانِ عدو سے اتقا کا سامنا ہوگا | میں دیکھوں گا آنکھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

عقل ہے ایمان ہے دل ہے جان ہے | لیجئے سب آپ پر قربان ہے

خوش ہے مذہب دمِ آخر کھلی | نزع میں مونس فقط ایمان ہے

دل کے یاروں سے ہوا شوقِ گناہ | آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار | سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بت اتنا حسیں | لطفِ فطرت ہے۔ خدا کی شان ہے

سعیِ بازو سے کرے جو کسبِ رزق | بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطف ساقی سے نہ چھلکے جامِ دل | ظرفِ عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامانِ وقار | غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

یہ توفی ہے تعجب موت پر | عقل تو جینے ہی پہ حیران ہے

ق

عالمِ ہستی پہ حیرت ہے مجھے | کس لئے آخر یہ سب سامان ہے

یا مصیبت امرِ معنی خیز ہے | یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے

یہ بھی نادانی مگر مانے گا کون | ذرہ ذرہ عاقلی کی جان ہے

پھر اٹھی ہے آپ کی تیغِ ستم | مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکمِ خاموشی ہے اور میری زباں | آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جنسے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے | جنسے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا | مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمہیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار میں بھی نہ راحت ملے جو نفرت ہو
صبا سے بھی گلِ داغِ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کردوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائلِ گریہ
شراب پینے کو آخر کنارِ جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

بھی جدائی سے ہے روح پہ یہ ظلمِ حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں رہوں جو تو آئے

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب دردِ دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اس بتِ بیدیں کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہونچا
جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ مے نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو
کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دستِ سبو سے اب وضو ٹوٹے

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسنِ لطفِ ساقیِ دوراں
ہزاروں شیشۂ تقویٰ پڑے ہیں چار سو ٹوٹے

شکستِ نیتِ طوفِ حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سزا ہے اس بتِ ظالم کے ہاتھوں سے جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے نفخ یورپ میں نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڈھ کے بھاؤ سے

بے نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے
قہر اس پہ یہ ہے اسکا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں
دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقتِ ترمیم
ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہہ نہیں سکتے

کہدو گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس
کیونکر یہ کہیں ظلم و ستم سہہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے
تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار میں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو
صبا سے بھی گل داغ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کردوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائل گریہ
شراب پینے کو آخر کنار جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

[illegible]ی جدائی سے ہے روح پہ یہ ظلم حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں رہوں جو تو آئے

[illegible]یا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اس بت بیدیں کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آپہونچا
جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ مے نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو
کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دست سبو سے اب وضو ٹوٹے

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسن لطف ساقی دوراں
ہزاروں شیشۂ تقویٰ پڑے ہیں چار سو ٹوٹے

شکست نیت طوف حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سزا ہے اس بت ظالم کے ہاتھوں سے جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے نفخ پوریوں نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق مجھے ذلیل کیا چاؤ چاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڈھ کے بھاؤ سے

بے نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے
قہر اس پہ یہ ہے اسکا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں
دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقت ترمیم
ہے ناؤ میں سوراخ مگر گہہ نہیں سکتے

کہدو گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس
کیونکر یہ کہیں ظلم و ستم سہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے
تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

حضور اوروں کے خوش کرنیکی فکر البتہ فرمائیں
ہماری کیا ہے شاعر کے لئے اک واہ کافی ہے

خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجیے اپنا
مری تسکین دل کیواسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند انکو ہے یادِ مرگ اے اکبر
مگر اسکے بھلا دینے کو حبِّ جاہ کافی ہے

وصفِ قدِّ یار میں مصروف میرا خامہ ہے
میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

میرے دل کو وہ بتِ دل خواہ جو چاہے کرے
اب تو دے ڈالا اسے اللہ جو چاہے کرے

حضرتِ اکبر سا قصا یطہ اور یہ بیتابیاں
آپ کی ترچھی نظر واللہ جو چاہے کرے

منزلِ صدق و صفا ہے ہر طرح خطروں سے پاک
نیکبختوں ہیں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے

قاضی و مفتی ہیں غرقِ بادۂ مستی و کبر
قوم کا ضعف اور حبِّ جاہ جو چاہے کرے

شیخ کی منطق ہو یا چشمِ فسوں سازِ بتاں
سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے

دیکھکر یوتھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں
شادی تو آسان نہیں ہے بیاہ جو چاہے کرے

خرچ کی تفصیل پوچھوں گا نہ مانگوں گا حساب
لیلے وہ بت کل مری تنخواہ جو چاہے کرے

اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
ہیچ یہ ہے افزونئے تنخواہ جو چاہے کرے

با اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آکے اکبر آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے

منطق بھی ہے قانون شہادت بھی خرد بھی
سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

انکی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے
بس رہ گئے یہ کہکر مارا ہمیں اسی نے

چمکے ہیں بزمِ جم میں اب گیسوی طلائی
سکہ نیا بٹھایا گردوں کی پالسی نے

کیا حالِ دل سنائیں کیا سر قدم پہ رکھیں
مایوس کر دیا ہے اس بت کی بے حسی نے

جلوہ ہے آسماں پر ابر و شفق کا گویا
اچھا سماں دکھایا لب پر تری مسی نے

۳۵

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھکو غشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے

افکار دو عالم نے کیا ہے مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اسکا فقط بادہ کشی ہے

محبوب یہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت نہ رہی پاس تو اب ہی[1] ہے نہ شی[2] ہے

میں کو نسا منہ لے کے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

اِدھر ہے جلوۂ مضموں اُدھر محسنِ قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے

جنابِ شیخ ہی کو فکرِ استادِ معانی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمینِ شعر کافی ہے

۴

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائبِ شبِ ہجر
گویا ہر سانس آخری[3] ہے

کہنے لگے سن کے نظم میری
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اُٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لئے
یاد تیری مل گئی ہے ہمنشینی کے لئے

مطیع و تابعِ فرماں کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے

جنابِ شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے

صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے

وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادیِ طریقِ کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے

بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کے لئے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کے لئے

مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے

جو تیرے محو ہیں انکو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گلِ تر کو بھلا اس عارضِ رنگیں سے کیا نسبت
کہ اُس پر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے

تمہارے کان کی بجلی عیاں ہے قربِ عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

[1] ضمیر مذکر غائب [2] ضمیر مونث غائب [3] یہ لفظ آخریں ہے ضرورت قافیہ کے لئے نون گرایا گیا ہے جیسے زمین سے زمی

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھکو غشی ہے
یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے

افکار دو عالم نے کیا ہے مجھے بیمار
سنتا ہوں علاج اسکا فقط بادہ کشی ہے

محبوبہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
دولت نہ رہی پاس تو اب ہی[۱] ہے نہ شی[۲] ہے

میں کو لسا منہ لے کے انھیں شکل دکھاؤں
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

اِدھر ہے جلوۂ مضموں اُدھر محسنِ قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے

جنابِ شیخ ہی کو فکر استادِ معانی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمینِ شعر کافی ہے

۴

تیری زلفوں میں کافری ہے
تیری آنکھوں میں ساحری ہے

اللہ رے مصائبِ شبِ ہجر
گویا ہر سانس آخری[۳] ہے

کہنے لگے سن کے نظم میری
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اُٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لئے
یاد تیری مل گئی ہے ہمنشینی کے لئے

مطیع و تابعِ فرمان کو عذر ہی کیا ہے
کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے

جنابِ شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
کہو کہ اس سے کبھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے

صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے

وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادیِ طریقِ کمال
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے

ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے

بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کے لئے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کے لئے

مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے

جو تیرے محو ہیں انکو بتوں سے کیا مطلب
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گلِ تر کو بھلا اس عارضِ رنگیں سے کیا نسبت
کہ اس پر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے

تمہارے کان کی بجلی عیاں ہے قربِ عارض میں
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

---

[۱] ضمیر مذکر غائب [۲] ضمیر مونث غائب [۳] یہ لفظ آخر میں ہے ضرورت قافیہ کے لئے نون گرا دیا گیا ہے جیسے زمین سے زمی

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
وہ تھیٹر میں تھرکتے ہی رہے

دف بجایا ہی کئے مضموں نگار
وہ کمیٹی میں تھرکتے ہی رہے

سرکشوں نے طاعت حق چھوڑ دی
اہل سجدہ سر پٹکتے ہی رہے

گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیل
اونٹ کانٹوں پر لٹکتے ہی رہے

جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
مگر انکو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھکو مرنے سے

نشاں اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
بجا ہے ہمت مسلم جو رکتی ہے اُبھرنے سے

سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشم عبرت کو
اثر دکھلائیگا یہ نقش ہستی آہ بھرنے سے

سرائے دہر کو جسنے محلّ خوف سمجھا ہے
اُسے کیا لطف آئیگا یہاں دل کے ٹھہرنے سے

خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہلِ غفلت نے
تعجب اسمیں کیا دل مرگیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دلمیں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
نہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بیچین کرنے سے

نہ رہنے دیگا مجھکو جوشِ دل اب دستکش ہرگز
قیامت ہو گیا ہے آپکا سینہ اُبھرنے سے

جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا اُبھرنے سے

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

سیکڑوں دورِ جنوں ہیں ابھی آنے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے

اُٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
رو ہی کے اُٹھے ہیں اس بزم سے گانے والے

حدّ ادراک میں داخل نہ ہوا سرِّ ازل
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے

موجِ معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے — وہ تھیئٹر میں تھرکتے ہی رہے
دف بجایا ہی کئے مضموں نگار — وہ کمیٹی میں تھرکتے ہی رہے
سرکشوں نے طاعت حق چھوڑ دی — اہل سجدہ سر پٹکتے ہی رہے
گائیں، سبزہ پا گئیں کرکے کلیل — اونٹ کانٹوں پر لپکتے ہی رہے
جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے — جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں — مگر انکو گنا ہوں سے تھا ڈر اور مجھکو مرنے سے
نشاں اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ — بجا ہے ہمت مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے
سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھ چشم عبرت کو — اثر دکھلائیگا یہ نقش ہستی آہ بھرنے سے
سرائے دہر کو جس نے محل خوف سمجھا ہے — اسے کیا لطف آئیگا یہاں دل کے ٹھہرنے سے
خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے — تعجب اسمیں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو — نہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بے چین کرنے سے
نہ رہنے دیگا تجھکو جوش دل اب دستکش ہرگز — قیامت ہو گیا ہے آپکا سینہ ابھرنے سے
جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں — مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے — ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے
سیکڑوں دور جنوں ہیں ابھی آنے والے — مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے
اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر — گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے
خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا — رو ہی کے اٹھتے ہیں اس بزم سے گانے والے
حد ادراک میں داخل نہ ہوا سر ازل — کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے
موج معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل — کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہے بہت پھول کے کمھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شکر اللہ کا ہے نبھ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اس کی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطرب عشق بتاں میں ہوں عبث میں اتنا
رام ہو جائینگے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں اب خون جگر کھانے سے

خوانِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں
حفظ ایمان ہے فقط خون جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کار دنیا نہ رکے گا ترے مر جانے سے

رونق عشق بڑھا دیتی ہے بیتابیِ دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے

دلِ صد چاک سے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

صفحۂ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
وہ دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہیں آنکھیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہے دل میں بیٹری[1]
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجھلا کے شبِ وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانے کے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہمکو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیران ہوں کس طرح کروں عرضِ تمنا
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمیِ محبت میں وہ ہیں آہ کے مانع
پنکھا نفسِ سرد کا جھلنے نہیں دیتے

[1] لغت انگریزی بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں۔

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کے کمھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شکر اللہ کا ہے بچ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اس کی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطرب عشق بتاں میں ہوں عبث میں اتنا
رام ہو جائینگے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں بے خون جگر کھانے سے

خوانِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں
حفظ ایمان ہے فقط خون جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کار دنیا نہ رکے گا ترے مرجانے سے

رونق عشق بڑھا دیتی ہے بیتابیِ دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے

دلِ صد چاک سے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائینگے اس زلف کی اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کی مٹ جانے سے

صفحۂ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہے آنکھیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں وہ کھا رہی ہیں کہ ہے دل میں بیٹری[1]
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجھلا کے شب وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانے کے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہمکو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیران ہوں کس طرح کروں عرضِ تمنا
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمیِ محبت میں وہ ہیں آہ کے مانع
پنکھا نفسِ سرد کا جھلنے نہیں دیتے

[1] لغت انگریزی بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں۔

یہ کہکے اٹھ گئے ہنگام نزع سے رفیق — یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا
لگائے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم — ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا
تمہیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام — میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا
نظر لگائے ہیں دو لیبر ہر اک طرف سے حسیں — کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں رازِ عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمارِ محبت کو ابھی کیا دیکھا — جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا
طفلِ دل کو مرے کیا جانے لگی کسکی نظر — میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا
لے گیا تھا طرفِ گورِ غریباں دلِ زار — ق — کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا
وہ جو تھے رونقِ آبادیٔ گلزارِ جہاں — سر سے پا تک انھیں خاکِ رہِ صحرا دیکھا
کل تلک محفلِ عشرت میں جو تھے صدر نشیں — قبر میں آج انھیں بیکس و تنہا دیکھا
بسکہ نیرنگیٔ عالم پہ آ سے حیرت تھی — آئینہ خاکِ سکندر کو سراپا دیکھا
سرِ جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت — یاس کو معتکفِ تربتِ دارا دیکھا

وصلِ جاناں کی دلِ زار کو حسرت ہی رہی — یہ میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی — تھا یہ قسمت کا لکھا
تمھیں جو بات کہی میں نے دل و جان سے وہ کی — نہ کیا عذر کبھی
تم کو اس پہ بھی مگر مجھسے شکایت ہی رہی — پھل یہ خدمت کا ملا
چشمۂ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں — ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتشِ غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی — نہ ہوا فرق ذرا
کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر — نہیں اوروں پہ نظر
بدگمانی مگر اُس شوخ کی عادت ہی رہی — صاف مجھ سے نہ ہوا

یہ کہکے اٹھ گئے ہنگامِ نزع سے رفیق — یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا
لگائے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم — ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا
تمہیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام — میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا
نظر لگائے ہیں دلبر ہر اک طرف سے حسیں — کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں رازِ عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمارِ محبت کو ابھی کیا دیکھا — جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا
طفلِ دل کو مرے کیا جانے لگی کسکی نظر — میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا
لے گیا تھا طرفِ گورِ غریباں دلِ زار — کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا
وہ جو تھے رونقِ آبادیِ گلزارِ جہاں — سر سے پا تک انھیں خاکِ رہِ صحرا دیکھا
کل تلک محفلِ عشرت میں جو تھے صدر نشیں — قبر میں آج انھیں بیکس و تنہا دیکھا
بسکہ نیرنگیِ عالم پہ مجھے حیرت تھی — آئینہ خاکِ سکندر کو سراپا دیکھا
سرِ جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت — یاس کو معتکفِ تربتِ دارا دیکھا
ق

وصلِ جاناں کی دلِ زار کو حسرت ہی رہی — یہ میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی — تھا یہ قسمت کا لکھا

تم نے جو بات کہی میں نے دل و جان سے وہ کی — نہ کیا عذر کبھی
تم کو اس پہ بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی — پھل یہ خدمت کا ملا

چشمۂ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں — ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتشِ غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی — نہ ہوا فرق ذرا

کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر — نہیں اوروں پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی — صاف مجھ سے نہ ہوا

رہ دریستم محبتاں سیتوں سے نہیں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہے ضرر اپنا

رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
مراتب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا

کھلی غیرت کا ہے جوہر یہ نکلا ہار قاتل کے
تجھے اس معرکہ میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی آخر اپنی پرانے تحفے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے ادھر انکا ادھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک زہر دھاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے ادھر انکا ادھر اپنا

گلستان مضامیں بسکہ ہے محدود نظر اپنا
گل تر سے لطافت میں فزوں ہے شعر تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے جوش میں غیب سے گذر اپنا
نگاہ شوق سے میں خود ہوں منظور نظر اپنا

اٹھاتا تھا پڑا ہوں تختیاں لحد پہ سر رکھ کر
مرے سنگ لحد پر آرزو ٹپکے گی سر اپنا

عروج ہستی فانی پہ کیا سرگرم عشرت ہوں
فروغ چند ساعت ہے یہاں مثل شرر اپنا

جگہ دے آمد آمد ہے نوید وصل جاناں کی
اٹھا لے سینہ سے بستر نوائے درد جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصہ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصر عالی میں
مآل کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد لینے کیا جانے ملے کس کو
نہیں معلوم جائے کس کے سر پہ دردسر اپنا

غرض کیا انکو ہے پاپوش انکی پانوں دھوتی ہے
لئے پھرتا ہے کیوں مہر فلک یہ طشت زر اپنا

نگاہ شوق پر دست ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں آن کی کمر اپنا

نہایت جلد آ کر باعث تسکین خاطر ہو
سراپا منتظر ہے مجھے آن کی خبر اپنا

نہیں باقی نہیں پاتی رسائی گوش جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو مملو جو ہو عالی مضامیں سے
کرداب دو سے گوچے میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحر ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موج فنا نے ہمسفر اپنا

رہ و رسمِ محبت ان حسینوں سے نہیں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہے ضرر اپنا

رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
مزا تب تھا بنا لیتے کسی کے دل میں گھر اپنا

محلِ غیرت کا ہے چہرے پہ لگتا ہے اک قاتل کے
مجھے اس معرکہ میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی گر اپنی پر یہ تو غضب دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے اُدھر انکا ادھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک ٹھہر جاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے اُدھر انکا ادھر اپنا

گلستانِ مضامیں بسکہ ہے مدِّ نظر اپنا
گلِ تر سے لطافت میں فزوں ہے شعرِ تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے جوش میں عجب سے گذر اپنا
نگاہِ شوق سے میں خود ہوں منظورِ نظر اپنا

اُٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں لیکن اسے رکھ کر
مرے سنگِ لحد پر آرزو ٹیکے گی سر اپنا

عروجِ ہستیِ فانی پہ کیا سرگرمِ عشرت ہوں
فروغِ چند ساعت ہے یہاں مثلِ شرر اپنا

جگہ دے آمد آمد ہے نویدِ وصلِ جاناں کی
اُٹھا لے سینہ سے بستر تو اے دردِ جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصّۂ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصرِ عالی میں
مآلِ کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملے کس کو
نہیں معلوم جائے کس کے سر یہ دردِ سر اپنا

غرض کیا انکو ہے پاپوش انکی پاؤں دھوتی ہے
لئے پھرتا ہے کیوں مہرِ فلک یہ طشتِ زر اپنا

نگاہِ شوق پر دستِ ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے اُدھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں اُن کی کمر اپنا

نہایت جلد آ کر باعثِ تسکینِ خاطر ہو
سراپا منتظر سے مجھے اُن کی خبر اپنا

نہیں پاتی نہیں پاتی رسائی گوشِ جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو ملو جو ہو عالی مضامیں سے
گرداب دو سہے کوچے میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہمسفر اپنا

محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہر دم
بھرا ہے مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں
مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں
خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھکو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ ان پر کھلا حال الفت
گئی لے کے روح اپنا پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یونہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبر
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغ کم بضاعت رونق عالم نہیں ہوتا
مہ نو بدر ہو کر نیر اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شاد ان دل پرغم نہیں ہوتا
دل انکا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفت مژگان خوباں سے
یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقام بیخودی میں آرزو کیا عرض مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دست تصور کسطرح پہونچے
وہ سینہ آشنائے دست نامحرم نہیں ہوتا

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ
اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصال یار میں ہر وقت روتا ہوں
فراق آستیں و دیدۂ پرنم نہیں ہوتا

شکستہ۔ سوختہ۔ مجروح اسیر یہ تمنائیں
دل عاشق سا دنیا میں کوئی بے غم نہیں ہوتا

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا
زمانہ کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہردم
بھرا ہے مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں
مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں
خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھکو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ اُن پر کھلا حال الفت
گئی لے کے روح اپنا پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یونہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اُس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبر
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغ کم بضاعت رونق عالم نہیں ہوتا
مہ نو بدر ہو کر نیر اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شاداں دل پرغم نہیں ہوتا
دل انکا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفت مژگان خوباں سے
یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقام بیخودی میں آرزو کیا عرض مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دست تصور کسطرح پہونچے
وہ سینہ آشنائے دست نامحرم نہیں ہوتا

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ
اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصال یار میں ہر وقت روتا ہوں
فراق آستیں و دیدۂ پرنم نہیں ہوتا

شکستہ۔ سوختہ۔ مجروح اسیر یہ تمنائیں
دل عاشق سا دنیا میں کوئی بےغم نہیں ہوتا

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا
زمانہ کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس اے جانِ من اُنکا

دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات اُنکی ادا اُن کی قد اُن کا چلن اُنکا

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیالِ یار مرا میہماں رہا

فریاد کی کمی تھی نہیں دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بدگمانیاں
پیشِ نظر تمہیں تو سبب میں جہاں رہا

مصحفِ رخسارِ یوسف میں ہو جب تفسیرِ خواب
کیا زلیخا کو عزیزِ مصر دے تعبیرِ خواب

اگلی باتیں حسن کے عہدِ ت کے عوض غفلت نکر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیرِ خواب

کوچۂ جاناں سے اٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسمِ تازہ بیڑی کے عوض زنجیرِ خواب

خواب تھیں بیداریاں اس ہستیِ موہوم کی
گور میں خوابِ فنا سے مل گئی تعبیرِ خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھکو خواب میں
قرب اُن سے ہو گا اتنی ہے اگر تعبیرِ خواب

وصل میں شوقِ تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیرِ خواب

قتل کرتا ہے ترا بیساختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیرِ خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھتے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیرِ خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیرِ خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویرِ خواب

عالمِ ایجاد بھی اک عالمِ موہوم ہے
جتنی تعمیریں ہیں یاں کی ہیں یہ سب تعمیرِ خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیے
حشر کے دن ہونگے یارب ہم گریباں گیرِ خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیضِ عالمگیرِ خواب

حضرتِ یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھکو مل گئی تعبیرِ خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریرِ خواب

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس اے جانِ من اُنکا

دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات اُنکی ادا اُن کی قد اُن کا چلن اُنکا

پوشیدہ وہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیالِ یار مرا میہماں رہا

فریاد کر رہی تھی ہیں دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بدگمانیاں
پیشِ نظر تمہیں تو رہے میں جہاں رہا

مصحفِ رخسارِ یوسف میں ہو جب تفسیرِ خواب
کیا زلیخا کو عزیزِ مصر دے تعبیرِ خواب

اگلی باتیں حسن کے عبرت کے عوض غفلت نکر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیرِ خواب

کوچۂ جاناں سے اٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسمِ تازہ بیڑی کے عوض زنجیرِ خواب

خواب تھیں بیداریاں اس ہستیِ موہوم کی
گور میں خوابِ فنا سے مل گئی تعبیرِ خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھکو خواب میں
قرب آن سے ہوگا الٹی ہے اگر تعبیرِ خواب

وصل میں شوقِ تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیرِ خواب

قتل کرتا ہے ترا بیساختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیرِ خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھئے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیرِ خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیرِ خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویرِ خواب

عالمِ ایجاد بھی اک عالمِ موہوم ہے
جتنی تعمیریں ہیں یاں کی ہیں یہ سب تعمیرِ خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیے
حشر کے دن ہونگے یارب ہم گریباں گیرِ خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیضِ عالمگیرِ خواب

حضرتِ یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھکو مل گئی تعبیرِ خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریرِ خواب

محلِ امن یہی ہے کہ سب بھلائے رہیں — کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیالِ وصلِ بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۷۰ء

آگیا وقتِ اجل اے شوق دنیا الوداع — الوداع اے حسرتِ دل لے تمنا الوداع
الوداع اے ساقیِ میخانۂ طولِ امل — اے سرورِ بادۂ امیدِ فردا الوداع
اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئیں السلام — اے شکوہِ رفعتِ قصرِ معلّیٰ الوداع
الوداع اے مسند و فرش قبا و پیرہن — اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع
الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرطِ شوق — رخصت اے جوشِ جنوں لے سیرِ صحرا الوداع
الوداع اے جلوۂ نیرنگیِ حسنِ بتاں — اے خیالِ عارض و زلفِ چلیپا الوداع
الوداع اے عالمِ نیرنگیِ باغِ جہاں — اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع

عازمِ ملکِ عدم ہے اکبرِ خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزمِ احبّا الوداع

ہوا پھر قیدیِ زلفِ دوتا دل — بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل
نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے — اُدھر اتنے ادھر تنہا مرا دل
نہ چھوڑا آتشِ الفت نے پیچھا — جگر جلنے لگا جب جل چکا دل
لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی — انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل
یہ وقتِ نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو — نہ توڑو عاشقِ رنجور کا دل

بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہرِ خدا دل

عہدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاریِ دل — ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماریِ دل

محلِّ امن یہی ہے کہ سب بھلائے رہیں — کسی کے وال ہیں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیالِ وصلِ بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۷۰ع

آ گیا وقتِ اجل اے شوق دنیا الوداع — الوداع اے حسرتِ دل اے تمنا الوداع
الوداع اے ساقیِ میخانۂ طولِ امل — اے سرورِ بادۂ اُمیدِ فردا الوداع
اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئیں السلام — اے شکوہِ رفعتِ قصرِ معلیٰ الوداع
الوداع اے مسند و فرش قبا و پیرہن — اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع
الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرطِ شوق — رخصت اے جوشِ جنوں لے سیرِ صحرا الوداع
الوداع اے جلوۂ نیرنگیِ حسنِ بتاں — اے خیالِ عارض و زلفِ چلیپا الوداع
الوداع اے عالمِ نیرنگیِ باغِ جہاں — اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع

عازمِ ملکِ عدم ہے اکبرِ خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزمِ احبّا الوداع

ہوا پھر قیدیِ زلفِ دوتا دل — بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل
نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے — اُدھر اتنے اِدھر تنہا مرا دل
نہ چھوڑا آتشِ الفت نے پیچھا — جگر جلنے لگا جب جل چکا دل
لگاوٹ غیر سے ہم سے رُکھائی — انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل
یہ وقتِ نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو — نہ توڑو عاشقِ رنجور کا دل

بڑے صدمے اُٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہرِ خدا دل

عہدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاریِ دل — ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماریِ دل

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط ابھی کرے — اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں
میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُنپہ جاں — اُنکا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں
ہے انقلاب حسن کے عالم میں کسقدر — دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسنِ بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیبِ تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دل میں — نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اُس ماہ کامل میں
نہ پوچھو وسعتِ اندیشۂ عشاقِ قامت کو — یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے انکے گوشۂ دل میں
بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں — بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلیٰ کا محمل میں
زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری — نگاہوں کو نہیں یارا کہ اُٹھیں تیری محفل میں
بہت آساں ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی — بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جاں سے محوِ رخ جاناں ہیں تو ہم ہیں — اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں
گلگشت کریں پھول چنیں اُنکو ہے کیا غم — آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے — سوزِ جگرِ بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں
شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں — مقصودِ دلِ گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں
اے برق تڑپنے میں ہمیں ہیں ترے ساتھی — اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں
دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت — بس ایک غمِ ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصہ میں شبِ وصل اے دل — گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں
بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ — جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں
کمرِ یار ہے باریکی سے غائب ہر چند — مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں
ترچھی چتوں سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب — موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں
میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اُس سے — ہنسکے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط ابھی کرے / اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُنپہ جاں / اُنکا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حسن کے عالم میں کسقدر / دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسنِ بتاں پہ آنکھ / عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیبِ تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دل میں / نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اُس ماہ کامل میں

نہ پوچھو وسعتِ اندیشۂ عشاقِ غارت کو / یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے انکے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں / بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلی کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری / نگاہوں کو نہیں یارا کہ اُٹھیں تیری محفل میں

بہت آساں ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی / بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جاں سے محوِ رخ جاناں ہیں تو ہم ہیں / اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں

گلگشت کریں پھول چنیں اُنکو ہے کیا غم / آوارۂ صحراے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے / سوزِ جگرِ بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں

شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں / مقصود دلِ گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں

اے برق تڑپنے میں نہیں ہیں ترے ساتھی / اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں

دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت / بس ایک غم ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصہ میں شبِ وصل اے دل / گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں

بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ / جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں

کمر یار ہے باریکی سے غائب ہر چند / مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترچھی چتوں سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب / موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اُس سے / ہنسکے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

جان دی شیریں نے اُسپر اسپہ لیلیٰ مر گئی
عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہو گئی
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز
مل گئے صاحب سلامت ہو گئی

ہائے کیا دلکش ہے اُسکی چشم مست
آنکھ ملتے ہی محبت ہو گئی

چودھواں سال اُنکو ہے نامِ خدا
عمر آفت تھی قیامت ہو گئی

ناز سے اُسنے جو دیکھا شیخ کو
اُنکی دینداری ہی رخصت ہو گئی

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا
یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی

یہ کار عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
یہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

تمہیں سے ہوئی مجھکو اُلفت کچھ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی

جہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو
بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی

حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھکو
نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی

گرے میرے نظروں سے خوبانِ عالم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

میں رونے لگا حالِ دل کہتے کہتے
یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی

یہ غیروں نے اب اُنکو برہم کیا ہے
نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

۱۸۷۰ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی
نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی

نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں
شبِ فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی

یہاں بیداریوں سے خونِ دل آنکھوں میں آتا ہے
گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

جان دی شیریں نے اُسپر اسپہ لیلیٰ مر گئی — عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہو گئی — ہو گئی اب تو محبت ہو گئی
اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز — مل گئے صاحب سلامت ہو گئی
ہائے کیا دلکش ہے اُسکی چشم مست — آنکھ ملتے ہی محبت ہو گئی
چودھواں سال اُنکو ہے نام خدا — عمر آفت تھی قیامت ہو گئی
ناز سے اُسنے جو دیکھا شیخ کو — اُنکی دینداری ہی رخصت ہو گئی

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا — یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی

یہ کار عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
یہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

تمہیں سے ہوئی مجھکو اُلفت کچھ ایسی — نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی
جہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو — بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی
حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھکو — نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی
گرے میرے نظروں سے خوبان عالم — پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی
میں رونے لگا حالِ دل کہتے کہتے — یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی
یہ غیروں نے اب اُنکو برہم کیا ہے — نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہ ہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

سنہ ۱۸۷۰ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی — نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی
نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں — شب فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی
یہاں بیداریوں سے خون دل آنکھوں میں آتا ہے — گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر یہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کے واسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے اے دل
بس ایک اُنکی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک اُن کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہو گئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلفِ پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

جماتی ہے لبِ نازک پہ اُن کے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سرخیٔ پاں کی

نگاہِ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین وایماں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی

طریق عشق میں ہے بیخودی کو منصبِ خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

فریب میں بتِ کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین وایماں کی

تعجب ہے مجھکو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بار احساں کی

غذائے خونِ جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوانِ الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش پئے علاج دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی

ق
عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کسو کی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیرِ مژگاں کی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر یہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کے واسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسیں جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے اے دل
بس ایک اُنکی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک اُن کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہو گئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلفِ پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

بھاتی ہے لبِ نازک پہ اُن کے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سرخیِ پاں کی

نگاہِ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دیں و ایماں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی

طریقِ عشق میں ہے بیخودی کو منصبِ خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

فریب میں بتِ کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دیں و ایماں کی

تعجب ہے مجھکو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بارِ احساں کی

غذائے خونِ جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوانِ الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش پئے علاجِ دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی

ق

عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کسو نے ہے سینہ سپر تیغِ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیرِ مژگاں کی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیرِ حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کرے گا قدر
آبادی اسکی ایسے خرابے میں ہو چکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہ یار
دونوں جہاں سے بھی تو یہ مجھکو کھو چکی

اب جانِ ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی

تھک تھک گئی زباں دمِ شرحِ دردِ دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

اکبر عروسِ دہر سے چشمِ وفا نہ رکھ
دارا و جم کی جب نہ ہوئی تیری ہو چکی

خفا ہو بے سبب مجھسے کہو میری خطا کیا ہے
چھوا بھی زلفِ مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے

قیامت ہے طبیعت آ گئی اُس آفتِ جاں پر
جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے

انھیں بھی جوشِ الفت ہو تو لطف اُٹھے محبت کا
ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اسمیں مزا کیا ہے

مصیبت میں راحت ہے اگر ہو عاشقِ صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے

کوئی دن کا ہوں مہماں آ چکی ہے جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آ کر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہے

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاجِ دردِ دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں روکو طبیعت کو
یہ رونا یہ تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہے

آج آرائشِ گیسوے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتارِ بلا ہوتی ہے

شوقِ پابوسیِ جاناں مجھے باقی ہے ہنوز
گھاس جو اُگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

جو زمیں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہے نئی
وقف وہ بہرِ مزارِ شہدا ہوتی ہے

جس نے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اس سے پوچھے
جان کیونکر ہدفِ تیرِ قضا ہوتی ہے

ق

صبح کا وقت بڑا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے

روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
خود سمجھتا ہوں کہ مرنے سے بھلا کیا حاصل
روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ
مرغ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نالہ کر لینے دیں للّٰلہ نہ چھیڑیں احباب
جسم تو خاک میں ملجاتے ہوے دیکھے ہیں

آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے
پھر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے
خوب تو قبر مزار شہدا ہوتی ہے
نگہ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریب ستم یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذب دل جو آتا ہے
فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
کبھی جو دعوے منصور میں شک آتا ہے
وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دل کو
جو بیخودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
الٰہی خیر ہو اُس بت کے ناز بیجا کی
زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد
نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
خدا پناہ میں رکھے کشاکش غم سے
مصائب شب فرقت اُٹھا چکا ہوں میں

کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے
خیال یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے
وہ حال ہوں کہ جسے سن کے وجد آتا ہے
تو میرے حال پہ رونے کو ہوش آتا ہے
دل غریب کو میرے بہت ستاتا ہے
یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے
دہان زخم اسی پر تو مسکراتا ہے
کبھی تمہیں بھی ہمارا خیال آتا ہے
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے
ہزار ساغر جم روز ٹوٹ جاتا ہے
اسی سے تار نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے
عذاب گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھے ستم جوشِ حسرتِ دیدار
یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
دگرنہ آپ میں آنا تو مجھکو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقامِ شکر ہے غافل مصیبت دینا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کرا ے اکبر
بتوں کے عشق میں جان اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھسے پہلو میں تیرے کیا ہے
اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے

پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے

مجھ زار و ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختیٔ دل تمہاری ہمسنگ کہربا ہے

برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جسکو معشوق بے وفا ہے

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغِ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اُس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہے

رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے

ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوق کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے

ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دل کو میں نے
رنگِ رخِ تمنا گردِ رہِ وفا ہے

کل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے

کیا شرحِ آرزو میں وا ہو زبان اپنی
افسانۂ دو عالم آغازِ مدعا ہے

اظہارِ شوق میں ہے رسوائی محبت
ہے حرف آبرو پر جو حرفِ مدعا ہے

اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہمسے حالِ دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

نہ پوچھئے ستمِ جوشِ حسرتِ دیدار
یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھکو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کرا ے اکبر
بتوں کے عشق میں جان اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھسے پہلو میں تیرے کیا ہے
اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے

پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے

مجھ زار و ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختیٔ دل تمہاری ہمسنگ کہربا ہے

برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جسکو معشوق بے وفا ہے

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغِ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اُس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہے

رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے

ہو جس طرف طبیعت لازم ہے شوق کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے

ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دل کو میں نے
رنگِ رُخِ تمنا گردِ رہِ وفا ہے

کل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے

کیا شرحِ آرزو میں وا ہو زبان اپنی
افسانۂ دو عالم آغازِ مدعا ہے

اظہارِ شوق میں ہے رسوائیٔ محبت
ہے حرفِ آبرو پر جو حرفِ مدعا ہے

اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہمسے حالِ دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں | کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے
ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر | تجلیں سے آپ کا شہرا ہوا ہے
بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ | طبیعت کو خدا یا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے | بخل نے زر کو تہِ خاک دبا رکھا ہے
شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے | دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے
بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں | داغِ افلاس کو سینہ سے لگا رکھا ہے
آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند | مجھکو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے
جوششِ فصلِ بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر | بلبلوں نے تو غضب شور بپا رکھا ہے
دیکھئے صبح تلک دیوے وہ کیا کیا پہلو | منتوں سے اُسے یاں آج سلا رکھا ہے
آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب | ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسکی قسمت میں زہر غم ہے کسیکو حاصل مئے طرب ہے | وہی بگاڑے وہی بنائے اُسکی قدرت کا کھیل سب ہے
نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دلکو کیونکر بچائے انساں | ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے
جلا چکی آتش محبت تمام میرے دل و جگر کو | تمہیں نہیں ہے یقیں ابتک یہی تو اے میری جان غضب ہے
گزر گیا ہے جو عہد عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اسکی حسرت | قیام اسیکا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے
یہ اُنکی جتنی لگاوٹیں ہیں ہیں ظاہری سب بناوٹیں ہیں | یہ جی لبھانیکی اک ادا ہے یہ دلکے لینے کا ایکڈھب ہے
دلاتے ہیں نزع میں جو پیہم خدا کی یاد آکے یار و ہمدم | بھلا میں بھولونگا اُسکو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے
یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب اسوقت جائے گا | اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینہ برستا ہے وقتِ شب ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں
کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے

ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر
ہمیں سے آپ کا شہرا ہوا ہے

بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ
طبیعت کو خدا یا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے
بخل نے زر کو تہِ خاک دبا رکھا ہے

شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے
دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے

بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں
داغِ افلاس کو سینہ سے لگا رکھا ہے

آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند
مجھکو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے

جوششِ فصلِ بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر
بلبلوں نے تو غضب شور بپا رکھا ہے

دیکھئے صبح تلک دیدے وہ کیا کیا پہلو
منتوں سے اُسے یاں آج سلا رکھا ہے

آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب
ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسکی قسمت میں زہرِ غم ہے کسیکو حاصل مئے طرب ہے
وہی بگاڑے وہی بنائے اُسیکی قدرت کا کھیل سب ہے

نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دلکو کیونکر بچائے انساں
ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے

جلا چکی آتشِ محبت تمام میرے دل و جگر کو
تمہیں نہیں ہے یقیں ابتک یہی تو اے میری جاں غضب ہے

گزر گیا ہے جو عہدِ عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اسکی حسرت
قیام اسیکا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے

یہ اُنکی جتنی لگاوٹیں ہیں یہ ظاہری سب بناوٹیں ہیں
یہ جی لبھانیکی اک ادا ہے یہ دلکے لینے کا ایک ڈھب ہے

دلاتے ہیں نزع میں جو پیہم خدا کی یاد آ کے یار و ہمدم
بھلا میں بھولونگا اُسکو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے

یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب اسوقت جائے گا
اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینہ برستا ہے وقتِ شب ہے

گوشۂ خاطرِ عالی میں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جا کے کہاں عاشقِ ناشاد رہے

شرع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر یہ کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

گذری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جس میں شمعِ طور ہے

آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی
بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جسکو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

گو رنج سے بالے کی زلف الجھا میں عاشق ہو گیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یا زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطرِ احباب گورکھپور ہے

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے

یہ نوید اورونکو جا سنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصلِ بہار ہے

جسے دورِ چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
شبِ ہجر میں ہے جو دردِ سر ہے وصل کا یہ خمار ہے

وہ نظر جو مجھسے ملا گئے تو بلا و آفتیں ڈھا گئے
کہ حواس و ہوش و خرد ہیں گم اب نہ شکیب و صبر و قرار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھکر ترا حال اکبر نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشقِ زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خوں فشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرزِ گردشِ چرخ ہے نہ وہ رنگِ لیل و نہار ہے

گوشۂ خاطرِ عالی میں جو پائے نہ جگہ
کہئے پھر جا کے کہاں عاشقِ ناشاد رہے

نزع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو تیرِ نظر ہے کہ غضب ہے
خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے

وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے

گذری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
یہ وہ ویرانہ ہے روشن جسمیں شمعِ طور ہے

آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی
بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے

کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جسکو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

گو رنج سے بالے کی زلف الجھا میں عاشق ہو گیا
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یا زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطرِ احباب گورکھپور ہے

کہوں کس سے قصۂ دردِ غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے

تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے

یہ نوید اوروں کو جا سنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا چمن ہی جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصلِ بہار ہے

جسے دورِ چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
شبِ ہجر میں ہی جو در سے اٹھے وصل کا یہ خمار ہے

وہ نظر جو مجھ سے ملا گئے تو بلا و آفتیں ڈھا گئے
کہ حواس و ہوش و خرد ہے اب نہ شکیب و صبر و قرار ہے

مجھے رحم آتا ہے دیکھکر ترا حال اکبرِ نوحہ گر
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشقِ زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خوں فشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرز گردشِ چرخ ہے نہ وہ رنگِ لیل و نہار ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے
دل مرا ہاتھ میں لیکر وہ یہ فرماتے ہیں
آپ رکھ چھوڑئے اسکو مرے کس کام کا ہے
اسکو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے

لگاوٹ کی ادا سے اُنکا کہنا پان حاضر ہے
کہو جو چاہو ہوش لینگے بگر مطلق نہ سمجھیں گے
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جن کو اُنکا دو نشاں یارو
قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے
اسے میں کیا کروں اُنکا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھکو اُس نے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے
گو بُت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے
دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لے لیا
اُلٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے
غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا
مجھسے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے
مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول
دل تو نہ دونگا آپکو میں جان لیجئے
حاضر ہوا کرونگا میں اکثر حضور میں
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رخ جاناں نہ رہے
واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارمان نہ رہے
صورت یار جو سو پردوں میں پنہاں نہ رہے
بحث پھر تم میں یہ اے گبر و مسلماں نہ رہے
سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ
ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے
مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہے
آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے
میں تو عشق بُت ظالم سے نہ باز آؤنگا
عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے
آئینے کو ہے یہ حسرت کہ سکندر ہوئے خاک
ہوش پر یوں نکے اُڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے
چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے
صبح تک ہجر صنم میں یہ دعا تھی اپنی
میں رہوں یا نہ رہوں یہ شب ہجراں نہ رہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے / آپ رکھ چھوڑیے اسکو مرے کس کام کا ہے
دل مرا ہاتھ میں لیکر وہ یہ فرماتے ہیں / اسکو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے

لگاوٹ کی ادا سے اُنکا کہنا پان حاضر ہے / قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے
کہو جو چاہو ہوش لینگے بگر مطلق نہ سمجھیں گے / طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جن کو اُنکا دو نشاں یارو / اسے میں کیا کرونگا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھکو اُس نے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے / گو بت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے
دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لے لیا / اُلٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے
غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا / مجھسے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے
مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول / دل تو نہ دونگا آپکو میں جان لیجئے
حاضر ہوا کروں گا میں اکثر حضور میں / آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رخ جاناں نہ رہے / واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارمان نہ رہے
صورتِ یار جو سو پردوں میں پنہاں نہ رہے / بحث پھر تم میں یہ اے گبر و مسلماں نہ رہے
سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ / ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے
مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل / یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہے
آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق / آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے
میں تو عشقِ بتِ ظالم سے نہ باز آؤں گا / عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے
آئینے کو ہے یہ حسرت کہ سکندر ہوئے خاک / ہوش پریوں کے اُڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے
چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے / دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے
صبح تک ہجر صنم میں یہ دعا تھی اپنی / میں رہوں یا نہ رہوں یہ شب ہجراں نہ رہے

جب قولِ وفا ہار چکا ہیں تو پھر اب کیا — جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں — آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی میں نرمی میں صفائی میں ضیا میں — ہے ایک سی خلقت ترے رخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے جل کے خیالاتِ دو عالم — اللہ رے ترے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربانِ تمنا — کرتی ہے بڑی قدرشناسی مرے دل کی

ملتا ہے مزا اُن کو مرے جوشِ جنوں کا — سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بے خود — وہ خوبیِ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں — اسوقت ہیں ہو خیر الٰہی مرے دل کی

تسکین کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم — اب ہجر انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی

کیوں مکتبِ غم میں سبقِ عشق نہ پڑھتا — تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت — اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہتا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر — افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بےچین ہو دل سینے میں مارا رہ کے تری یاد آتی ہے — وہ چشمِ سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں مری پھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کے لئے بےچین نہ کر اتنا مجھکو — کیوں تم ہی بتا دو دلمیں مرے کیوں روح کو یوں تڑپاتی ہے

تم اسکے جدا ہو جانیکا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم — ہر جان سے پیاری کی بنسی شے انساں سے یہی چھٹ جاتی ہے

ہوگا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائے گی — جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہکر مرے مطلب کی بات — آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں میرے جو وہ رشکِ چمن — نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا — یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

جب قولِ وفا ہار چکا ہیں تو پھر اب کیا
جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں
آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی میں نرمی میں صفائی میں ضیا میں
ہے ایک سی خلقت ترے رُخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے جل کے خیالاتِ دو عالم
اللہ رے تیرے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربانِ تمنا
کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی

ملتا ہے مزا اُن کو مرے جوشِ جنوں کا
سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بے خود
وہ خوبیِ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
اس وقت میں ہو خیر الٰہی مرے دل کی

تسکیں کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم
اب ہے انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی

کیوں مکتبِ غم میں سبقِ عشق نہ پڑھتا
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت
اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بے چین ہو دل سینے میں مارا رہ کے تری یاد آتی ہے
وہ چشمِ سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں مری پھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کے لئے بے چین نہ کر اتنا مجھکو
کیوں زخم تو ہے دلمیں مرے کیوں روح کو یوں تڑپاتی ہے

تم اُسکے جدا ہو جانیکا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہر جان سے پیاری کی بھی شئے انساں سے یہی چھٹ جاتی ہے

ہو گا کیا رنجش جو تجھ سے اسے پری ہو جائے گی
جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہکر مرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں مرے جو وہ رشکِ چمن
نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

دورِ اوّل

عمر اکیس سال یعنی سنہ ۱۲۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا — وعدہ جو لیجئے تو بتِ بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہِ طور پر باتیں خدا سے کیں — رتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر — اظہار اس کا کیجیے اس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے — اب موسمِ بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمہیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید — اے یار اور ہوگا تمہاری جفا سے کیا

دارِ فنا سے لے نہ چلے کچھ تو غم نہیں — فرمائیے تو لائے تھے ملکِ بقا سے کیا

تیرے مریضِ غم کو جو کرتی اثر نہیں — کچھ کہدیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلفِ دراز کی — مضمون ہاتھ آئے ہیں فکرِ رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غمِ شبِ ہجراں تو اپنی جاں — امید صبح دیتی ہے ہمکو دلاسے کیا

صد چاک مثلِ شانہ کرے عاشقوں کا دل — ہوگا بس اور آپ کی زلفِ دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شبِ وصل میں ضرور — ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حالِ دل تمام شب ان سے کہا کیا — ہنگامِ صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہرِ نمودِ غنچہ گوارا ہو اپنا خوں — مضمون ہاتھ آیا ہے برگِ حنا سے کیا

عمرِ تئیس سال

جلوۂ رفتارِ جاناں ہے نمونہ حشر کا — حق بجانب ہے جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

سبکے تامل تیری قامت سمجھ جو مضموں مل گئے — شاید اب نزدیک آپہونچا زمانہ حشر کا

دورِ اوّل

عمر اکیس سال یعنی سنہ ۱۲۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجئے تو بتِ بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہ طور پر باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اس کا کیجئے اُس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے
اب موسمِ بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمھیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمھاری جفا سے کیا

دارِ فنا سے لے نہ چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تھے ملکِ بقا سے کیا

تیرے مریضِ غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہدیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلفِ دراز کی
مضمون ہاتھ آئے ہیں فکرِ رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غمِ شبِ ہجراں تو اپنی جاں
امید صبح دیتی ہے ہمکو دلا سے کیا

صد چاک مثلِ شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلفِ دوتا سے کیا

دلمیں جو ہے وہ ہوگا شبِ وصل میں ضرور
ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حالِ دل تمام شب اُن سے کہا کیا
ہنگامِ صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہرِ نمودِ خیمہ گوارا ہو اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگِ حنا سے کیا

عمرِ تئیس سال

جلوۂ رفتارِ جاناں ہے نمونہ حشر کا
حق بجانب ہے جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

بے تامل تیری قامت سمجھے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آپہونچا زمانہ حشر کا

ہو گیا غرق میں یادِ رخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ مجھے حلقۂ گرداب ہوا

ق
تو ہے وہ برقِ تجلّی کہ ترا نقشِ قدم
روکشِ آئینۂ مہرِ جہانتاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہورِ ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ اے عشق جنوں آج ظفریاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی مائل جو میں بیتاب ہوا

ق
موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کے لئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیرِ طلسماتِ جہاں
پتّا پتّا مجھے اک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرّہ ذرّہ صفتِ مہرِ جہانتاب ہوا

اک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھکو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اک باب ہوا

اُس طرف قلقلِ مینا ہے ادھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہکر کئے کان آپنے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دندانِ صنم
دیکھئے لعل سے پیدا دُرِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبّب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاں کی رنگینیاں ہیں عینِ دلیلِ غفلت
سرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبر
میں تو شرمندۂ فرمائشِ احباب ہوا

ابھی سے خون رُلاتی ہے مجھکو فکرِ مآل
چمن میں بعد تیرے اے بہار کیا ہوگا

اُنھیں پسند نہیں اور اس سے میں بیزار
الٰہی پھر یہ دلِ بے قرار کیا ہوگا

عزیز سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
نہیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

ترانہ ہو گیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدا نا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو اُن کو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونے سے ہے اُسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا ہے دشمن سو جان سے اس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اس ناتوانی پر تنِ بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں اے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ع

کس قدر جوش محبت میں ہے سر پر سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصرِ خوبی کا تو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
سایۂ لطفِ خدا ہے ترے سر پر سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرقِ مبارک پہ ہو آ کر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نکہتِ گیسوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہو گیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

روزِ روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ نہ ہو
عکسِ رخسار سے ہے مہرِ منور سہرا

گلشنِ حسن میں اللہ رے رسائی اُس کی
ہو گیا سنبلِ گیسو کے برابر سہرا

زینتِ حسنِ خداداد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرۂ پر نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

طراوت عرقِ رخ کی نہیں ہے اسمیں
آبِ آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

کہدیا منہ پہ اک دوست کی فرمائش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

اُنھیں پسند نہیں اور اس سے ہیں بیزار
الٰہی پھر یہ دلِ بے قرار کیا ہوگا

عزیز سادہ ہی رہنے دو لوح تربت کو
ہمیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

زمانہ ہو گیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدا نا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو اُن کو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہ ہونے سے ہے اُسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا نہ دشمن سو جان سے اس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اس ناتوانی پر تنِ بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں اے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ ع

کس قدر جوش محبت ہمیں ہے سر پہ سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصرِ خوبی کا تو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
سایۂ لطف خدا ہے ترے سر پہ سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرقِ مبارک پہ ہو آکر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نکہتِ گیسوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہو گیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

روز روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ نہ ہو
عکس رخسار سے ہے مہر منور سہرا

گلشنِ حسن میں اللہ رے رسائی اُس کی
ہو گیا سنبل گیسو کے برابر سہرا

زینتِ حسن خداداد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرۂ پر نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرقِ رخ کی نہیں ہے اسمیں
آب آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

کہدیا ہمنے یہ اک دوست کی فرمائش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

دکھلاتے ہیں بُت جلوۂ مستانہ کسی کا — یہاں کعبۂ مقصود ہے بتخانہ کسی کا
گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا — معبد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا
اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت — روشن بھی کرو جاکے سیہ خانہ کسی کا
اُس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت — کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا
اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب — ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا
جاں اپنی جو دی شمع کے شعلے سے لپٹ کر — سمجھا رُخِ روشن اُسے پروانہ کسی کا
شمعِ رُخِ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں — ہے حوصلہ بھی صورتِ پروانہ کسی کا
کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے — ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا
الفت مجھے اُس سے ہے اُسے غیر سے ہے عشق — میں شیفتہ اُسکا ہوں وہ دیوانہ کسی کا
عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے — حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا
حیراں ہوں اسے تاب جمال آئے گی کیونکر — بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا
پہونچی جو نگہ عالمِ مستی میں فلک پر — ہم سمجھے مہِ نو کو بھی پیمانہ کسی کا
کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالتِ دل کو — سننے گا لبِ گور سے افسانہ کسی کا
ساماں تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو — جنّت میں بھی یاد آئے گا کاشانہ کسی کا
نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں — بلبل کی طرح گل بھی ہے دیوانہ کسی کا
چشم و دلِ عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال — وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا
تاثیر جو کی صحبتِ عارض نے دمِ خواب — خجلت دہِ آئینہ ہوا شانہ کسی کا
کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دمِ آخر — کام آیا نہ اسوقت میں یارانہ کسی کا
کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر کے کرم سے — بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا
رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بے خوف — کیا تو دلِ صد چاک ہے اے شانہ کسی کا
تاثیر محبت سے جو ہو جاتے ہیں بے چین — رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بت جلوۂ مستانہ کسی کا
یہاں کعبۂ مقصود ہے بتخانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا
معبد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جاکے سیہ خانہ کسی کا

اُس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آجائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جاں اپنی جو دی شمع کے شعلے سے لپٹ کر
سمجھا رُخ روشن اُسے پروانہ کسی کا

شمعِ رُخ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صورت پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا

الفت مجھے اُس سے ہے اسے غیر سے ہے عشق
میں شیفتہ اُسکا ہوں وہ دیوانہ کسی کا

عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا

حیراں ہوں اسے تاب جمال آئے گی کیونکر
بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا

پہونچی جو نگہ عالم مستی میں فلک پر
ہم سمجھے سبو کو بھی پیمانہ کسی کا

کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالتِ دل کو
سننے گا لب گور سے افسانہ کسی کا

سامان تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنّت میں بھی یاد آئے گا کاشانہ کسی کا

نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہے دیوانہ کسی کا

چشم و دلِ عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا

تاثیر جو کی صحبتِ عارض نے دمِ خواب
خجلت دہِ آئینہ ہوا شانہ کسی کا

کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دمِ آخر
کام آیا نہ اسوقت میں یارانہ کسی کا

کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا

رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بے خوف
کیا تو دل صد چاک ہے اسے شانہ کسی کا

تاثیر محبت سے جو ہو جاتے ہیں بے چین
رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا

خیرہ گم نبود بریں اوج تو اے لیلائے حسن
ناقہ ات گردوں اگر سازند محمل آفتاب

مرکز آسا نقطۂ موہومش انگارند لیس
گرد دار در حلقۂ بزم تو داخل آفتاب

نیست رفتارِ حسیناں باعثِ صد انقلاب
می کند تغییر فصل از طے منزل آفتاب

سوز عشقِ روئے تو دارم بایں کم مایگی
اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوش زد چوں پرتوِ نورِ رخت اے بحرِ حسن
در افق گم گشت مثلِ موجِ ساحل آفتاب

پرتوِ نورت نمود اعجاز ہنگامِ شنا
قطرہ قطرہ گشت در دامانِ ساحل آفتاب

مے کشاں شست خوردہ از بحرِ تردد بگذرند
می رساند کشتیِ رنداں بساحل آفتاب

تا انتہائے سجدہ درست است و شوقِ ہیچ ہیچ
برکفِ انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

بر سرش زہرہ اگر تابد اسیراں را خوش است
بگذرد زود از نواحِ چاہِ بابل آفتاب

بر سپہرِ معنیِ روشن چو گامے سیر کرد
ارمغاں آوردہ اکبر سوی محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و می تابد بہ محفل آفتاب

دلم فسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
نماند در گلِ پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کردی و فغاں نہ کنم
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است

فغاں کہ آتشِ غم زیرِ خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوزِ دل و آہِ شعلہ خو باقی است

بہ بحرِ عشق فتادیم و دست و پا نزدیم
ہزار منتِ ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فغاں کہ جانِ عزیزم شد و عدو باقی است

فدائے صورتِ زیبا رُخے کہ فانی نیست
نثارِ حسنِ حسینے کہ حسنِ او باقی است

ز زشتیِ عملم در لحد نمی پرسند
ہزار شکر کہ یادِ رخِ نکو باقی است

پسِ فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
مگر بہ دل خلشِ خارِ آرزو باقی است

بحسنِ فانیِ دنیا مبند دل اکبر
فنا شود نہ رہِ آں کس کہ نام او باقی است

حیرتم نبود بریں اوج تو اے لیلائے حسن
ناقہ ات گردوں اگر سازند محمل آفتاب

مرکز آسا نقطۂ موہومش انگارند لیک
گرد دارد حلقۂ بزم تو داخل آفتاب

نیست رفتار حسیناں باعث صد انقلاب
میکند تغییر فصل از طے منزل آفتاب

سوز عشق روئے تو دارم باین کم مایگی
اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوش زد چوں پرتو نور رخت اے بحر حسن
در افق گم گشت مثل موج ساحل آفتاب

پرتو نورت نمود اعجاز ہنگام شتا
قطرہ قطرہ گشت در دامان ساحل آفتاب

مے کشاں مے خوردہ از بحر تردد بگذرند
می رساند کشتی رنداں بساحل آفتاب

تا نہائے سبحہ در دست است و شوق ہیچ ہیچ
برکف انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

بر سرش زہرہ اگر تابد اسیراں را خوش است
بگذرد زود از نواح چاہ بابل آفتاب

بر سپہر معنی روشن چو گامے سیر کرد
ارمغاں آورد اکبر سوی محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و می تابد بہ محفل آفتاب

دلم فسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
نماند در گل پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کردی و وفا نہ کنم
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است

فغاں کہ آتش غم زیر خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوز دل و آہ شعلہ خو باقی است

بہ بحر عشق فتادیم و دست و پا نزدیم
ہزار منت ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فغاں کہ جان عزیزم شد و عدو باقی است

فدائے صورت زیبا رخے کہ فانی نیست
نثار حسن حسینے کہ حسن او باقی است

ز زشتی عملم در لحد نمی پرسند
ہزار شکر کہ یاد رخ نکو باقی است

پس فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
مگر بہ دل خلش خار آرزو باقی است

بحسن فانی دنیا مبند دل اکبر
فنا شود ز رہ آں کس کہ نام او باقی است

شوقم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ کمیں — اندریں وقت ز بے صبری من ہیچ مپرس
وقت آنست کہ با شامِ غریباں سازم — پاش وا اے ہمسفر از صبحِ وطن ہیچ مپرس
حسرتے چند بہ دل دارم و ایں نکتہ بس است — ور کہ آموختہ ام طرزِ سخن ہیچ مپرس
مگو از لعلِ یمانی و ببیں لختِ دلم — اشکِ من بنگر و از دُرِّ عدن ہیچ مپرس

بیکسی معتکفِ تربتِ او بود بدشت
قصۂ اکبر مہجور وطن ہیچ مپرس

وہ رشکِ گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس — بہارِ عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس
بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن — بقا نہیں تجھے اے موسمِ بہار افسوس
بتوں کی یاد میں تو یہ بھی بھولے ہم دمِ مرگ — چلے جہاں سے آخر گناہگار افسوس
جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب — تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس
کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ — تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریقِ عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ ۱۸۷۴ء یا ۱۸۷۵ء

کام آتا ہے جو وصفِ روئے دلبر میں چراغ — اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ
یادِ مژگان و رخِ روشن ہمارے دل میں ہے — یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ
آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رخ پر نقاب — کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ
جب سے تحریرِ ثنائے رخ میں کام آتا ہے یہ — ہے عوض بتّی کے فکر تارِ مسطر میں چراغ
پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی — میرا یہ داغِ ندامت ہوگا محشر میں چراغ
لال ڈورے ہیں جو چشمِ مستِ ساقی میں عیاں — ہیں طلسمِ حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ
دل کے پیمانے میں داغِ ہجر ساقی یہ نہیں — میکشو روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

شوقم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ کمیں
اندریں وقت ز بے صبری من ہیچ مپرس

وقت آنست کہ با شام غریباں سازم
باش واے ہمسفر از صبح وطن ہیچ مپرس

حسرتے چند بہ دل دارم و ایں نکتہ بس است
ور کہ آموختہ ام طرز سخن ہیچ مپرس

مگو از لعل یمانی و بہ بیں لخت دلم
اشک من بنگر و از دُرِّ عدن ہیچ مپرس

بیکسی معتکفِ تربتِ او بود بدشت
قصۂ اکبر مہجور وطن ہیچ مپرس

وہ رشک گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہار عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس

بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن
بقا نہیں تجھے اے موسم بہار افسوس

بتوں کی یاد میں تو یہ بھی بھولے ہم دم مرگ
چلے جہاں سے آخر گناہگار افسوس

جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب
تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس

کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ
تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریق عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ ۱۸۷۴ء یا ۱۸۷۵ء

کام آتا ہے جو وصفِ روے دلبر میں چراغ
اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ

یاد مژگان و رخِ روشن ہمارے دل میں ہے
یا کسی نے رکھ دیا پہلوے خنجر میں چراغ

آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رخ پر نقاب
کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ

جب سے تحریرِ ثناے رخ میں کام آتا ہے یہ
ہے عوض بتی کے فکرتا ہر سطر میں جیسے چراغ

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی
میرا یہ داغِ ندامت ہوگا محشر میں چراغ

لال ڈورے ہیں جو چشم مست ساقی میں عیاں
ہیں طلسم حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ

دل کے پیمانے میں داغ ہجر ساقی یہ نہیں
سیکڑوں روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی ۔ وہ آنکھ اُٹھاکے نہیں دیکھتے کسیکی طرف

نگاہِ اُس بتِ خودبیں کی ہے مرے دل پر ۔ وہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے للہ تحفۂ دل کو ۔ نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جوابِ قاتلِ زمانہ ہوئی ۔ یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

ق

غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو ۔ بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہوگا ۔ گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہہ دینا ۔ چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسنِ بتاں ہو اے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اُسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار ترے قدِ رعنا تک ۔ ہماری فکرِ عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنا تک ۔ دلِ مشتاق کیا اُن پر فدا ہے جانِ شیدا تک

دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھکو ۔ کتابِ عمر آخر ہوگئی حرفِ تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہے ۔ نہیں پہونچی نظر اُسکی ترے رخسارِ زیبا تک

تری فکرِ کمر سے ہوگیا ہے اسقدر نازک ۔ کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نامِ عنقا تک

دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورتِ شانہ ۔ رسائی اسکی ہے شاید تری زلفِ چلیپا تک

گماں ہے کاروانِ جذبۂ دل کا مجھے اسیر ۔ کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب اُلٹیں اگر وہ عارضِ پُرنور سے اپنے ۔ شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک

جو ہے طوقِ گلو گرداب تو زنجیرِ پا موجیں ۔ تری اُلفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

نہاکر آپ آئینہ کیا ہے اُسنے پانی کو ۔ نگاہیں بے تکلف جارہی ہیں قعرِ دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے ۔ تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی — وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

نگاہِ اُس بتِ خود بیں کی ہے مرے دل پر — وہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے للہ تحفۂ دل کو — نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جوابِ تقاتلِ زمانہ ہوئی — یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

ق

غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو — بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہوگا — گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہہ دینا — چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسنِ بتاں ہو اے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اُسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار ترے قدِّ رعنا تک — ہماری فکرِ عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنّا تک — دلِ مشتاق کیا اُن پر فدا ہے جانِ شیدا تک

دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھکو — کتابِ عمر آخر ہو گئی حرفِ تمنّا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہے — نہیں پہونچی نظر اُسکی ترے رخسارِ زیبا تک

تری فکرِ کمر سے ہو گیا ہے اسقدر نازک — کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نامِ عنقا تک

دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورتِ شانہ — رسائی اسکی ہے شاید تری زلفِ چلیپا تک

گماں ہے کاروانِ جذبۂ دل کا مجھے اسپر — کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب اُلٹیں اگر وہ عارضِ پر نور سے اپنے — شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک

جو ہے طوقِ گلو گرداب تو زنجیر پا موجیں — تری اُلفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

نہا کر آب آئینہ کیا ہے اُسنے پانی کو — نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعرِ دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے — تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم

بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایّام کو ہم
خطِ تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم

شکل اُس شوخ کی آنکھوں میں سما کر لی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم

نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینانِ گل اندام کو ہم

آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لبِ جاں بخش سمجھتے ہیں لبِ جام کو ہم

گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کہئے احوال
جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم

ایک دن تم کو لبِ گور سے سنوا دینگے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم

رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر
کانپ کانپ اُٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

یہیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونیکا
اسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے
یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسیٰ سمجھتے ہیں

تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفّار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا
اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا ہوش آ گیا صحت ہوئی ہمکو
بڑے عیّار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

کسی ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن انکے بزمِ عیش و عشرت کا
نکل جاؤنگا میں مجھکو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اُٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کیا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں
اطبّا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اُسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جسکے فیض سے ہر دم
جو ناپیدا ہے نظروں سے اُسے پیدا سمجھتے ہیں

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم

بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایّام کو ہم
خطِ تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم

شکل اُس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم

نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینانِ گل اندام کو ہم

آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لبِ جاں بخش سمجھتے ہیں لبِ جام کو ہم

گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کہئے احوال
جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم

ایک دن تم کو لبِ گور سے سنوا دینگے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم

رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر
کانپ کانپ اُٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونیکا
اسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے
یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسیٰ سمجھتے ہیں

تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفّار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا
اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا ہوش آ گیا صحّت ہوئی ہمکو
بڑے عیّار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

کسی ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہے سرسبز گلشن آنکے بزمِ عیش و عشرت کا
نکل جاؤنگا میں مجھکو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اُٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کیا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں
اطبّا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اُسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اُسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جسکے فیض سے ہر دم
جو ناپیدا ہے نظروں سے اُسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ	حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں
رنگ وہ ہوں جو زمانے کے باہر رنگ سے	وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں
شوق وہ ہوں وسعتِ دل جسکے آگے تنگ ہے	حرفِ مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں
دل وہ ہوں جسمیں چھپے ہوں خارِ حسرت سیکڑوں	خارِ حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں
نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں	سکۂ داغِ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

سنہ ۱۸۶۷ء

یہ مصرعہ چاہئے لکھنا بیاضِ چشمِ وحدت میں	خدا کا عشق ہے عشقِ مجازی بھی حقیقت میں
برنگِ حسن جو ہے جلوہ فرما آن کی صورت میں	خمیرِ عشق بنکر ہے وہی میری طبیعت میں
اگر میں ڈوب جاؤں قلزمِ اشکِ ندامت میں	گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں
بھریں گلہائے حسرت ہی سے داماں تمنا کو	جو آنکلے ہیں بہرِ سیرِ گلزارِ محبت میں

لکھا خونِ جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقشِ محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن	ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن
غضب کا حسن ہے آرائشیں قیامت کی	عیاں ہے قدرتِ پروردگار عید کے دن
سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری	رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے دن
وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دل میں	وہ دور ہوگئی بس ایکبار عید کے دن
لگا لیا انھیں سینہ سے جوشِ الفت میں	غرض کہ آ ہی گیا مجھکو پیار عید کے دن
کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل	عیاں ہے جوشِ شبابِ بہار عید کے دن
سویّاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے	مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن
ملے اگر لبِ شیریں کا تیرے اک بوسہ	تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن

مضمون سوزِ غم نہ ہو کیونکر چراغ میں	پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں

ہو لطفِ حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارضِ روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشید رخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورتِ اختر چراغ میں

اُس بت کے دل کا اس دلِ روشن میں ہے خیال
ہے حسنِ اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتّی کی جا رہے تنِ لاغر چراغ میں

پھیلی ہماری سوزِ محبت کی داستاں
بتّی بٹی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اُس کے عارضِ پُر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہارِ گلِ تر چراغ میں

داغِ گناہ سے دلِ مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

خودی بھی مجھ سے جب واقف نہ تھی میں تب ہی بسمل ہوں
ازل[سلہ] سے کشتۂ تیغِ نگاہِ ناز قاتل ہوں

دلا کیونکر میں اُس رخسارِ روشن کے مقابل ہوں
جسے خورشیدِ محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

خمِ گیسو پر اک رشکِ پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی اِن دنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں پینے سے غافل ہوں

نگاہِ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھکو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں نہ بسمل ہوں

فغاں کیسی کہ حرفِ شکوہ بھی لب پر نہ آئیگا
یہ جب تک تم نہ کھلوگے وفا کا تیری قائل ہوں

رہِ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اُسمیں نثارِ ہمتِ دل ہوں

جو یونہیں لحظ لحظ داغِ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورتِ دل ہوں

مدد اے رہنماے گمرہاں اس دشتِ غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

گلِ مقصد جسے سمجھا وہ نکلا داغِ ناکامی
غرض باغِ جہاں میں خوبیِ قسمت کا قائل ہوں

سلہ مصرع طرح

اگر دعوی یکرنگی کروں ناخوش نہ ہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکسِ مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہے
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابندِ سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اسکی جسکو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیل حاصل ہوں

زمینِ شعر جس سے آسماں بنجائے اے اکبر
علوے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے دردِ الفت ہے میں وہ دل ہوں
اجل جسکو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینتِ فتراک قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالمِ حیرت میں داخل ہوں
یہ محوِ روئے قاتل ہوں کہ شکلِ چشم بسمل ہوں

سنا کر وصفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبانِ تیغ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

فنا ہے ہستیِ موہوم میری بیقراری میں
دلِ بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکینِ بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹکر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خونِ بسمل ہوں

قضا کا وہم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغِ نگاہِ نازِ قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیرِ خرد نے راہ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضموں میں پیدا ہوا ہوں بیت ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعوی کر رہے تھے شکلِ انساں کا میں حامل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا ایسی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حدِّ فاصل ہوں

اگر دعویٰ یکرنگی کروں ناخوش نہ ہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکسِ مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہے
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابندِ سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اسکی جسکو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیل حاصل ہوں

زمینِ شعر جس سے آسماں بنجائے اے اکبر
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے دردِ الفت ہے میں وہ دل ہوں
اجل جسکو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینتِ فتراک قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغِ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالمِ حیرت میں داخل ہوں
یہ محوِ روئے قاتل ہوں کہ شکلِ چشمِ بسمل ہوں

سنا کر وصفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبانِ تیغِ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

فنا ہے ہستیِ موہوم میری بیقراری میں
دلِ بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکینِ بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹکر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خونِ بسمل ہوں

قضا کا وہم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغِ نگاہِ نازِ قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیرِ خرد نے راہ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضموں میں پیدا ہوا ہوں بیت ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعویٰ کر رہے تھے شکلِ انساں کا میں حامل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

چھپا تھا نیستی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حدِ فاصل ہوں

لبِ پیمانۂ دل سے وفورِ شوق کامل سے — حریصِ لذتِ غم ہوں لبِ اظہار سائل ہوں

جفائے تیغِ فرقت سے خیالِ رازِ الفت سے — زبانِ حال بسمل ہوں سکوتِ شمعِ محفل ہوں

علوئے جوشِ مستی سے صفائیِ طبعِ عالی سے — فدائے فکرِ اکبر ہوں نثارِ شعرِ مشکل ہوں

درِ گنجینۂ اسرارِ معنی کھول دو اکبر

بس اب پیرِ خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں دل ہوں کہیں ہیں باعثِ بیتابیِ دل ہوں — کہیں انداز بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں

کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت — کہیں رنگِ رخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی — کہیں ہوں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش — کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں

کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی — کہیں ہیں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں عمرِ دوروزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی — کہیں گھٹنے کے لایق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں

کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق — کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں

کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں ہوش اہلِ صورت کا — کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوے باطل ہوں

کہیں ہوں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت — کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں — کہیں چھپنے کے لایق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں یارونکی محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں — کہیں ہیں رندِ مشرب ہوں کہیں درویش کامل ہوں

کہیں تصویرِ حیرت ہوں کہیں محوِ پریشانی — کہیں ہوں شیفتہ رخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں

معاداتی ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب — کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہرِ مقصد کہیں دامن تمنا کا — کہیں ہمت کریموں کی کہیں امید سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا — روانی میں کہیں دریا کہیں گرنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پہ ہے دیکھیں اے اکبر — مگر ساکت ہوں جبتک آپ میں آنیکے قابل ہوں

لبِ پیمانۂ دل سے وفورِ شوقِ کامل سے
حریفِ لذتِ غم ہوں لبِ اظہار سائل ہوں

جفائے تیغِ فرقت سے خیالِ رازِ الفت سے
زبانِ حالِ بسمل ہوں سکوتِ شمعِ محفل ہوں

علوئے جوشِ مستی سے صفائے طبعِ عالی سے
فدائے فکرِ اکبر ہوں نثارِ شعرِ مشکل ہوں

درِ گنجینۂ اسرارِ معنی کھول دو اکبر
بس اب پیرِ خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں دل ہوں کہیں میں باعثِ بیتابیِ دل ہوں
کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں

کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت
کہیں رنگِ رخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی
کہیں ہوں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں

کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں

کہیں ہوں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی
کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں

کہیں عمرِ دو روزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی
کہیں گھٹنے کے لایق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں

کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق
کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دل میں داخل ہوں

کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں ہوشِ اہلِ صورت کا
کہیں شورِ انا الحق ہوں کہیں دعوے باطل ہوں

کہیں ہوں حسن کا ایما کہیں ہوں درد کی لذت
کہیں قاتل کی چتون ہوں کہیں چتون کا بسمل ہوں

کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں
کہیں چھپنے کے لایق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں

کہیں یا رونقِ محفل میں کہیں ہنگامۂ دل میں
کہیں میں رندِ مشرب ہوں کہیں درویشِ کامل ہوں

کہیں تصویرِ حیرت ہوں کہیں صحرا پریشانی
کہیں ہوں شگفتۂ رخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں

معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب
کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں

کہیں ہوں گوہرِ مقصد کہیں دامن تمنا کا
کہیں ہمت کریموں کی کہیں امید سائل ہوں

کہیں ہوں ولولہ دل کا کہیں ہوں ضبط عاقل کا
روانی میں کہیں دریا کہیں تھمنے میں ساحل ہوں

یہ دریائے معانی جوش پر ہے دیکھیں اے اکبر
مگر ساکت ہوں جب تک آپ میں آنے کے قابل ہوں

جمال حور کو کہتا ہے افزوں حسنِ انساں سے
کوئی عاشق بھی آنکا زاہدا ہے باغِ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ
تو پھر کس کام کے حوروں کے غمزے باغِ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا ان زہرہ جبینوں کی
فرشتوں کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہِ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا ہمارے جینے مرنے کی
بسانِ سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سروِ سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر
غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسمِ گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامہ سے باہر ہو گیا شوقِ بیاباں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم
بدل جاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یارانِ وطن کو کیا پتا اپنا
خدا جانے مجھے لیجائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصلِ بہاری کا
گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پہ ہیں وقتِ نزع کیونکر اُن سے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو تابع ہو سلیماں میں

وفورِ اشک سے یوں ہیں ہرے داغِ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصلِ باراں میں

یقیں تھا گوہر آمرزگاری کے جو ملنے کا
دمِ آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحرِ عصیاں میں

ہیں اپنے داغِ سینہ طعنہ زن خورشیدِ محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاکِ گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا درِ شوقِ مہماں میں

عجب کیا موسمِ پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصلِ زمستاں میں

بقولِ رند مہمانِ فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اُسکے خوانِ الواں میں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹ جائیگی رات
رند آزاد ہیں ہمکو شبِ فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
ہے جو قسمت میں وہی ہوگا نہ کچھ کم نہ سوا

چار دن کے لئے انساں کو حسرت کیسی
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی

حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی

کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی

حسن اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی

آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ایسی باتوں میں مری جاں مروت کیسی

ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
کیوں؟ نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی

سنتا ہوں[۱] چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی

ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں سے رہی

یہ کون بات پسند آ گئی ہے غیروں کی
لگاوٹ انکی جو آٹھوں پہر انھیں سے رہی

چھٹو گے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال ۱۸۶۴ء

بے تکلف بوسۂ زلف چلیپا لیجئے
نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجئے

دل تو پہلے لیجئے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
اس میں بھی مجھکو نہیں انکار اچھا لیجئے

پانوں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
وحشت دل کا ہے ایما راہ صحرا لیجئے

غیر کو تو کر کے ضد کرتے ہیں کھانے میں شریک
مجھسے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجئے

خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بے شمار
ایک نقد دل سے یا رب مول کیا کیا لیجئے

کشتۂ آخر آتش فرقت سے ہوتا ہے مجھے
اور چندے صورت سیماب تڑپا لیجئے

فصل گل کے آتے ہی اکبر کچھ ہوش آپ
کھولئے آنکھوں کو صاحب جام صہبا لیجئے

---

[۱] مصرعہ اول میرا ہے ۲۰ سال کا تھا کہ امتحان لیا گیا تھا۔

تصور سے غمِ فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
کہ یہ کمبخت آخر سینے سے دم لیکے ٹلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا تڑپنا دل لگی سمجھیں
کسیکی جاں جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیالِ زلف میں لے دل نہ طے کر منزلِ الفت
اندھیری رات میں نادان کوئی راہ چلتا ہے

وہ جوں جوں ہوتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
سنبھالیں ہوش وہ اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریضِ غم کیا کرتا ہے ضبطِ نالہ ہمت سے
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصالِ یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

محبت اُنسے کرکے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ اُنپر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف اُنکے روئے روشن کا
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے

سیرِ غربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے
یاد احبابِ وطن مجھکو رُلا دیتی ہے

بیخودی پردہ کثرت جو اُٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

آمدِ یاس پہ ہو قہر خدا کا نازل
رہروِ منزلِ الفت کو ڈرا دیتی ہے

ہو نہ رنگیں طبیعت بھی کسی کی یا رب
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے

نگہِ لطف تری یاد بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطرِ عاشق کو کھلا دیتی ہے

اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآلِ ہستی
راستہ گورِ غریباں کا بتا دیتی ہے

نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بیکسی اُن کے تغافل کو دعا دیتی ہے

کیا صفائی رخِ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے

دشمنِ اہل نظر ہے نگہِ حسن پرست
الفتِ پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بدسلوکی تری لائق ہے خرابی مجھ پر / مری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہِ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں / ان کی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے

قیدِ ہستی ہے غبارِ رخِ آئینۂ روح / جانِ مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگِ حسیناں کی میں بیدردی کا / خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکرِ اکبر گلِ مضموں کا دکھا کر جلوہ / محفلِ شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

زیرِ گیسو روئے روشن جلوہ گر دیکھا کئے / شانِ حق ہے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے / باغِ عالم کی دو رنگی عمر بھر دیکھا کئے

جنبشِ ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو / آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جاں زار / عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھئے اب کیا دکھائے قسمتِ بد بعدِ مرگ / رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے

خوابِ غفلت سے نہ چونکے اہلِ عالم ہے غضب / گو بہت نیرنگیٔ شام و سحر دیکھا کئے

حسرت و حرماں و اندوہ و غم و رنج و الم / جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے

وعدۂ شب پر گمانِ صدق سے سوئے نہ ہم / راہ اس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے

یاد میں رخسارِ تابانِ صنم کی رات بھر / دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

بیداد و جفا کے جو نئے ڈھنگ کرینگے / تیغِ نگہِ ناز سے چو رنگ کرینگے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خطِ سبز / اب ہم نہ کبھی شوقِ مئے و بنگ کرینگے

ان کے دہنِ تنگ کا مضموں نہیں بندھتا / اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کرینگے

کر لیگا جگہ مثلِ شرر جذبۂ الفت / وہ سخت جو دل کو صفتِ سنگ کرینگے

دمساز دل سے ملنے بھی تو پائیں کبھی اے چرخ / آراستہ پھر بزم نئے و چنگ کرینگے

نالے دلِ پر داغ کو سکھلائینگے موزوں / طاؤس کو ہم مرغِ خوش آہنگ کرینگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیروں ہی سے دل کھول کے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جمگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لبِ گنگ کرینگے

راضی ہی نہ ہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصف دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینیٔ مضموں جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمانِ مئے گلرنگ کرینگے

اکبرؔ ہو دمسازِ بتاں بہرِ خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کے نشہ میں چور رہے ہوئے کیونکر کہیں نیک انجام رہے
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کبھی بدنام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے اے عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے بہتوں کے طائرِ دل زلفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیروں سے کچھ حاصل نہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

منہ ترا دیکھ کے فق رنگ گلستاں ہو جائے
دیکھکر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہو جائے

یادِ قامت میں جو میں نالہ و فریاد کروں
پیشتر حشر کے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحفِ رخسار جو آجائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپ کے فیضِ قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشنِ رضواں ہو جائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنجِ شہیداں ہو جائے

آفتِ گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردشِ دوراں ہو جائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخِ رنگیں کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگ گلستاں ہو جائے

لاغر اسدرجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں اسمیں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہو جائے

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیروں ہی سے دل کھول کے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جمگھٹ
اب جا کے تیام اپنا لبِ گنگ کرینگے

راضی ہی نہ ہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصف دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینیٔ مضموں جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمانِ مئے گلرنگ کرینگے

اکبرؔ ہو دمسازِ بتاں بہر خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کے نشہ میں چور رہے ہوے کیونکر کہیں نیک انجام رہے
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کبھی بدنام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے لے عہد شکن آزاد ہوے
پھنس جائینگے بہتو نکے طائرِ دل لطفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیر و لِسے کچھ حاصل ہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

منہ ترا دیکھ کے نو رنگ گلستاں ہو جائے
دیکھکر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہو جائے

یادِ قامت میں جو میں نالۂ و فریاد کروں
پیشتر حشر کے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحفِ رخسار جو آجائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپکے فیضِ قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشنِ رضواں ہو جائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنج شہیداں ہو جائے

آفت گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردش دوراں ہو جائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخِ رنگیں کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگ گلستاں ہو جائے

لاغر اسدرجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں اسمیں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہو جائے

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

پیر مغاں کا سلسلہ دیکھے جو محتسب
امیدوار بیعت دست سبو رہے

ہر دم یہ انتظار کا ایما ہے ہجر میں
آنکھوں میں جائے اشک جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو رہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقو نہیں مری آبرو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھکو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دل ناداں سے کس طرح
ہم آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب
گو تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھکو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بد خو اگر ہے یار تو ہو خوب رو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگروونکی جانب در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آیئے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملک عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اس نے دلائی منھ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد
سیر گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بنکر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہ ہوئے نوجواں کی شان رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمہارے سامنے چپ ہو رہیں
کل کے جلسوں کی مگر ہمنے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

پیرِ مغاں کا سلسلہ دیکھے جو محتسب
امیدوارِ بیعتِ دستِ سبو رہے

ہر دم یہ انتظار کا ایما ہے ہجر میں
آنکھوں میں جا سے اشک جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو رہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقو نہیں مری آبرو تو ہے

ہوں میں لوز ند مجھکو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دل ناداں سے کسطرح
ہو اپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب
گو تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھکو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بدخو اگر ہے یار تو ہو خوب رو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگرو ونکی جانب در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آیئے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوے ملک عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اس نے دلائی منہ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد
سیر گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بنکر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہ ہو اے نوجواں اک شان رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمہارے سامنے چپ ہو رہیں
کل کے جلسوں کی مگر ہمنے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

رباعیات وقطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کے لئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لئے
نظارۂ شاہدِ معانی کے لئے

تائید وضعِ ملت و دیں کی کروں گا میں
ہوتا نہیں طبیب دوا سے دستکش
اہلِ زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سعیٔ طبیب پر

جب لطف وکرم سے پیش آئے محبوب
جب مثلِ نسیم وہ گلے سے لگ جائے
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہان کو کیسا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوے نیک نامی کا چھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
عیاشی ہے بدی کے پہیے کا دھرا
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
کہتا ہے عجم عجم میں ہے جم موجود
سب سے بہتر ہے روز و شب کا جلوا
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوا

رباعیات وقطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کے لئے
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
نظارۂ شاہدِ معانی کے لئے

تائید وضع ملت و دیں کی کروں گا میں
اہلِ زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
ہوتا نہیں طبیب دوا سے دستکش
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سعیِ طبیب پر

جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثلِ نسیم وہ گلے سے لگ جاوے
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہان کو کیسا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیک نامی کا چھرا
عیاشی ہے بدی کے پیشے کا دھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
سب سے بہتر ہے روز و شب کا جلوا
کہتا ہے عجم عجم میں ہے جم موجود
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوا

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
بحث اُنکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
لا الٰہ[1] اور قُل ہو اللہ کہکے پیغمبر بھی چپ
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چپ

لا مذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاحِ قوم
کعبے سے بت نکال دیئے تھے رسول نے
ہرگز گذر سکینگے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہلِ ارشاد بہت
ہے بزمِ سخن کا حال یہ اے اکبر
ساحر کم ہیں ملیں گے صیّاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں اُستاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہدِ الست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے
نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زور پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر
ساتھ اُسکے وہ طلعتِ زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

تیری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
طلب مدد کی نہیں ان سے جو ہیں خود محتاج
خدا گواہ کہ پکّی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی ہے بالصبر والصلوٰۃ اے دوست

تحریکِ ضرورتِ معیشت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
خرقے کو بھی اب خیالِ خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
عقبیٰ کا تصوّر اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہمِ قرآن مجید
ہونے کے نہیں وہ پیرِ گردوں کے مرید
بدلے سو رنگ انقلابِ دنیا
ہر حال میں اُنکو ہے خدا ہی سے امید
کس نماند ست کہ در بیشۂ غم کارے بکند
تیغ گیرد بہ کف و فتحِ دیارے بکند
ایں زماں ہمّتِ مردانِ ہمیں محدود است
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر
نظم میں بھی وعظ آزادی کی اب تائید کر

[1] اشارہ طرف کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ — لا الٰہ اور قل ہو اللہ کہکے پیغمبر بھی چپ
بحث انکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی — ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اسپر بھی چپ

لا مذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاحِ قوم — ہرگز گذر سکینگے نہ ان منزلوں سے آپ
کعبے سے بت نکال دیئے تھے رسول نے — اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہلِ ارشاد بہت — ساحر کم ہیں ملیں گے صیّاد بہت
ہے بزمِ سخن کا حال یہ اے اکبر — شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہدِ الست — نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے — اک گور پرست ہے تو اک زور پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت — ساتھ اُسکے وہ لطفِ زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر — ہمکو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست — خدا گواہ کہ سچی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی نہیں ان سے جو ہیں خود محتاج — طلب مدد کی ہے بالصبر والصلوٰۃ اے دوست

تحریکِ ضرورتِ معیشت ہے بہت — خرقے کو بھی اب خیالِ خلعت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے — اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد — افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی — عقبیٰ کا تصوّر اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہمِ قرآن مجید — ہونے کے نہیں وہ پیرِ گردوں کے مرید
بدلے سو رنگ انقلابِ دنیا — ہر حال میں انکو ہے خدا ہی سے امید
کس نماندست کہ در بیشۂ شیر کارے بکند — تیغ گیرد بہ کف و فتحِ دیارے بکند
ایں زماں ہمتِ مرداں ہمہ ہمیں محدود است — زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر — نظم میں بھی وعظِ آزادی کی اب تائید کر

لہ اشارہ طرف کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے

غالب الناس پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرہ دہر سے یہ آتی ہے صدا

مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
نااہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں سند

بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضاں کو شریف

تکمیل میں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں

نیچر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظرہ کا بہت اسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق[1]

اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی اُمنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اُن پر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھکو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھکو عزیز

غیرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھکو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
یکجا اگر کردیں حوادث دہر اگر

حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ اُن سے ہل مگر دل سے نہ مل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اسکو پیاری اکبر

ہر رنگ دکھائے تجھکو خالق کا جمال
کہتا ہے کم آئی جسکو حاصل ہے کمال

جب علم گیا تو شوق عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوش اکبر میں صدا

دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

خواہان علم نہ طالب گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف

بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص

گویا کہ شمعیں بہت ہیں اور ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

[1] عالیجناب نواب احمد حسین خاں بہادر تعلقہ دار پرپاواں ضلع

غالب انساں پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرہ دہر سے یہ آتی ہے صدا
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
نااہلوں کو یہ کبھی لگتا نہیں سنہ
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضاں کو شریف

تکمیل میں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں
نیچر کی جو طاقتوں کو کر دیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظرہ کا بہت اسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق[1]
اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی اُمنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اُن پر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھکو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھکو عزیز
غیرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھکو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
یکجا کر دیں حوادث دہر اگر
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ اُن سے مل مگر دل سے نہ مل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اسکو پیاری اکبر
ہر رنگ دکھائے تجھکو خالق کا جمال
کہتا ہے کم آئی جسکو حاصل ہے کمال

جب علم گیا تو شوق عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوش اکبر میں صدا
دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

خواہان علم نہ طالب گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص
گویا کہ شمعیں بہت ہیں اور ردز ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

[1] عالیجناب نواب احمد حسین خاں بہادر تعلقدار پریاواں ۔

داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تیری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

وہ رنگِ کہن تمہارے عاشق میں نہیں
اچھا ہوا اب وہ طرزِ سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

اُردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس بنیں
پنڈت جی والمیک[1] ہونے کے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اسکی جسکا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت جو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

سمجھے جو کوئی مرا یہ مضمون نہیں
کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
ہر چند کہ یہ مزے چکھاتا ہے بہت
شیطاں کا کوئی شخص ممنون نہیں

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایماں ہیں کہاں
حسنِ عمل کے دلمیں وہ ارماں ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلماں ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

بیخود ہیں وہ جو ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مستِ نگاہِ بتِ دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل ہے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں ہی نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف

داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تیری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

وہ رنگِ کہن تمہارے عاشق میں نہیں
اچھا ہوا اب وہ طرزِ سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

اُردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں
ممکن نہیں شیخ امرء القیس بنیں
پنڈت جی والمیک[1] ہونے کے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اسکی جسکا دل گرم نہیں
سختی میں کبھی ہو گداز طینت جو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

سمجھے جو کوئی تیرا یہ مضموں نہیں
کوئی پہلو خلافِ قانوں نہیں
ہر چند کہ یہ مزے چکھاتا ہے بہت
شیطاں کا کوئی شخص ممنوں نہیں

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایماں ہیں کہاں
حسنِ عمل کے دلمیں وہ ارماں ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلماں ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انساں نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایماں نہیں
جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلماں نہیں

بیخود ہیں وہ جو ہوئے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مستِ نگاہِ بتِ دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ کبھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل ہے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یونہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف

جو اسکے خلاف رائے رکھے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو

جس بات میں تم شکستِ ملت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
اُسمیں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
قومی غیرت کی اُسمیں قلت سمجھو

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر
باتیں جو بری ہیں اُن سے پرہیز کرو
اسمیں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

دُنیا سے دنی کی یہ ہوس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
اللہ کو اپنے دلمیں بس جانے دو

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
بدلا پاتا ہوں مجلسِ دھر کا رنگ
غالب ہے اُسکی بات خاموش رہو
مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
لاٹھی ہے ہوائے دھر پانی بن جاؤ
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

اے جدِ بزرگ کے نواسو پوتو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
تزئیں کو نہ کروڑ بیٹھیں جو تو
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہو پیدا ہو جاسے
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہ ہو
لیکن یہ تکلفاتِ مطلوبہ نہ ہو

لوگ ہنستے ہیں جوش آئی ہے یہ حالت کبھی
لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہو وہ
من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
من ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

ہونی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تم کو

جو اسکے خلاف رائے رکھے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو

جس بات میں تم شکستِ ملت سمجھو
اسمیں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
قومی غیرت کی اُسمیں قلت سمجھو

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
باتیں جو بُری ہیں اُنسے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر
اسمیں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

دُنیا سے دنی کی یہ ہوس جانے دو
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دلمیں بس جانے دو

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
غالب ہے اُسکی بات خاموش رہو
بدلا پاتا ہوں مجلسِ دھر کا رنگ
مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دھر پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

اے جدِ بزرگ کے نواسو پوتو
تزئیں کو نہ کرو زبیٹیں جو تو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہو پیدا ہو جائے
لیکن بہ تکلفاتِ مطلوبہ نہ ہو

لوگ ہنستے ہیں جو جوش آئی ہے یہ حالت کبھی
سن ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ
سن ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

ہونی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام
ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تم کو

کوئی نہیں خوش نصیب اُس سے بڑھکر
بس دونوں جہان کی اُسنے نعمت پائی

روزی ملجائے مال و دولت نہ سہی
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھربار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

رازِ بتِ شوخ کی خبر ہی نہ ملی
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی

کمیٹیوں سے نہ ہوگا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہ ہوگی
خیالِ ملت نہ ہوگا جبتک سفید ہرگز یہ پاک نہ ہوگی
بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں یہ اپنی پوتھی میں بھائی نانک
غذا نہ ہوگی تو کیا جیونگا دیا کرو تم ہزار ٹانک

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضعِ مغربی
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہمقالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
بندگی تم کو مبارک صاحبوں کو صاحبی

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
قائم کرلیں ہیں تونے باتیں فرضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
زندہ رکھتی ہے تجھکو کس کی مرضی

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبر
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیکنامی
محنت ہی کے لئے ہے تفریح قلب و روزی
مقبول دوستاں ہے اکبر کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لئے ہے کافی اے دل نیکی

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامہ نیکی و بدی
قطرِ عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
اضطرابِ نفس چند و سکونِ ابدی

کوئی نہیں خوش نصیب اُس سے بڑھکر
بس دونوں جہان کی اُسنے نعمت پائی

روزی ملجائے مال و دولت نہ سہی
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھربار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

راز بتِ شوخ کی خبر ہی نہ ملی
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی

کمیٹیوں سے نہ ہوگا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہ ہوگی
خیالِ ملت نہ ہوگا جبتک سفید ہرگز یہ پاک نہ ہوگی
بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں یہ اپنی پوتھی میں بھائی نانک
غذا نہ ہوگی تو کیا جیونگا دیا کرو تم ہزار ٹانک

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضعِ مغربی
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہمقالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
بندگی تم کو مبارک صاحبوں کو صاحبی

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی
قائم کر لیں ہیں تو نے باتیں فرضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
زندہ رکھتی ہے تجھکو کس کی مرضی

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبر
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیکنامی
محنت ہی کے لئے ہے تفریح قلب و روزی
مقبول دوستاں ہے اکبر کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لئے ہے کافی اے دل نیکی

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامہ نیکی و بدی
قطرِ عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
اضطرابِ نفسِ چند و سکونِ ابدی

قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر — معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

دُنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے — غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دَور میں خوش نصیب وہ ہیں اکبر — جس نے قرآں کو کھلا رکھا ہے

ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہے — اللہ و رسول کا بھی مطلوب وہ ہے
قرآں کو غور سے پڑھو اور سمجھو — اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہے

سنہ ۱۸۷۶ء

کلچر سے ہے نہ کچھ خیالات سے ہے — تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی تمہاری — تقدیر سے اور بلا اتفاقات سے ہے

دنیا ہے دنی محل آفات بھی ہے — فکر روزی مخل اوقات بھی ہے
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور — جب تیار ہے آدمی تو آفات بھی ہے

انسان میں معتبر لیاقت بھی ہے — محسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع — اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے — لذت وہ ہے کہ جو صحت سے ملے
ایماں کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے — عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے — دیکھو نہ ہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکیں — دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے — کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس — اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

انساں کا نفس الگ ہے۔ روح کا وجد اور ہے — دشت وحشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر — یاد رکھ اکبر تکبر اور ہے مجد اور ہے

ارماں نہ شراب و بزم شاہد کا ہے — سامان محافل و مساجد کا ہے

قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

دُنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دَور میں خوش نصیب وہ ہیں اکبر
جس نے قرآں کو کھلا رکھا ہے

ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہے
اللہ و رسول کا بھی مطلب وہ ہے
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہے

۱۸۷۶ء

کلچر سے ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی تمہاری
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

دنیا ہے دنی محل آفات بھی ہے
فکر روزی مخل اوقات بھی ہے
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جب تیار ہے آدمی تو آکات بھی ہے

انسان میں معتبر لیاقت بھی ہے
محسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
لذت وہ ہے کہ جو صحت سے ملے
ایماں کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ ہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکیں
دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

انبساطِ نفس الگ ہے۔ روح کا وجد اور ہے
دشت وحشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر
یاد رکھ اکبر تکبر اور ہے مجد اور ہے

ارماں نہ شراب و بزم شاہد کا ہے
سامان محافل و مساجد کا ہے

جب واقعاتِ اصلی پیشِ نظر نہ آئے	شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے	نیچر نے کی گذارش رخصت ہوئیں یہیں سے
ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہے	ایسے بھی جنھیں محمد و عون کہے
میں نام بنام تم سے کہتا اکبر	نازک ہے مگر معاملہ کون کہے
ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے	بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی	یورپ کا تری رگوں میں کچھ خوں بھی ہے
دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے	لطفِ حسنِ بتانِ دلخواہ بھی ہے
سب سے قطع نظر ہے مشکل لیکن	اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے
مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے	مطلب کی کہوں تو پالسی میں اڑ جائے
باقی سرِ قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش	غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اڑ جائے
اصلی مقصود چاہئے پیشِ نظر	کوشش تری گو ہو لطفِ ذاتی کے لئے
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا	شیریں کے لئے کہ ناشپاتی کے لئے
مذہب قانون و قوم کا بانی ہے	خالص طاعت عروجِ روحانی ہے
توہین اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ	یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے
ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے	ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ	قانون بنا سکیں تب آزادی ہے
آگاہ ہوں معنیِ خوش اقبالی سے	واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اکبر	چلتا نہیں کام صرف نقالی سے
ایمان دحواس وحق پرستی کیا ہے	یہ غفلت و کفر و جوشِ مستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور	مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے
جیتا تھا جسقدر رہیں دنیا میں جی سکئے	ساغر کی طرح کے ملے اور پی سکئے

جب واقعاتِ اصلی پیشِ نظر نہ آئے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے
شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہوئیں یہیں سے

ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہے
ہیں نام بنام تمسے کہتا اکبر
ایسے بھی جنھیں سحر و عون کہے
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
یورپ کا تری رگو نمیں کچھ خوں بھی ہے

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
سب سے قطع نظر ہے مشکل لیکن
لطفِ حسنِ بتانِ دلخواہ بھی ہے
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اُڑ جائے
باقی سرِ قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش
مطلب کی کہوں تو پالسی میں اُڑ جائے
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اُڑ جائے

اصلی مقصود چاہئے پیشِ نظر
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا
کوشش تری گو ہو لطفِ ذاتی کے لئے
شیریں کے لئے کہ ناشپاتی کے لئے

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
تو ہیں اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ
خالص طاعت عروجِ روحانی ہے
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ
ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

آگاہ ہوں معنیِ خوش اقبالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اکبر
واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایمان دحواس وحق پرستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور
یہ غفلت و کفر و جوشِ مستی کیا ہے
مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

جینا تھا جسقدر ہمیں دنیا میں جی سے لئے
ساغر کسی طرح کے ملے اور پی سے لئے

پیسز یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا ؛
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھکو بادۂ صافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
شغل یہی ہے دل کو کافی ؛
خیر اب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا ؛
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے ؛
سنگینیں اور بھالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا
اس جنگل میں منگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری
پانی تھا ہر پمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
بیرنگی بارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
دہر کی رنگارنگی دیکھی

پینیر یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا ؛
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھکو بادۂ صافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
شغل یہی ہے دل کو کافی ؛
خیر اب دیکھئے ربط قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا ؛
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے ؛
سنگینیں اور بھالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا
اس جنگل میں منگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری
پانی تھا ہر پمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
بیرنگی بازنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
دہر کی رنگارنگی دیکھی

اقلیدس کی ناپی جو تھی
من بھر سونے کی لاگت سو تھی

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے
روشن ہر اک بال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کو حیثہ و بر زن
طائرِ ہوش تھے سب کے پر زن
بال میں ناچیں لیڈی کرزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آکے یکا یک
محو تھا ان کا اوج سما تک
زریں تھی پوشاک جھکا جھک
چرخ پہ زہرہ اُن کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوجِ فلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی
اسمیں کہاں یہ نوک پلک تھی
بزمِ عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہن رسا نے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے
کوئی مانے خواہ نہ مانے
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کسنے یہ کسدن عقلِ مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا

گئی دُنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
بُرا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا

مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی انکا نہیں چارا

وہ چھینٹے دیجیے اُنکو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بچھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا

چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
اُنھیں بھی پست کر دی مغربی حکمت کا نقارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں
عجب کیا ہے کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا

قیامت کر گئی قومی ترقی گوشِ مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا

اگر آں شاہدِ مغرب بدست آرد دل مارا
بچشمِ مستِ او بخشیم تسبیح و مصلّیٰ را

مصلّے کو غرض تہ کر کے اُٹھا عابدِ مشرق
جو طاقت آگئی تھی دلمیں اُس طاقت سے للکارا

ادھر تحریر [illegible]
[illegible]

نتائج پر نظر کب مرد عاشق تن کی ہوتی ہے
[illegible] گا دارا

دو روزہ پالیسی نے اسطرح سے تقویت دیدی
[illegible]

[illegible]
[illegible]

حواسِ ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
[illegible]

وہ ٹوٹے۔ یہ گرے۔ وہ پھسلے۔ یہ چت انکو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دل میں ضبط کا یارا

حریفانِ طرب آگیں نے چھیڑا سازِ عشرت کو
بچایا سب نے [illegible] دارا دارا

بتوں کے عشق میں بڑھی چلے تھے عقل پر پتھر
مسوں کا بے تکلف چل گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں۔ دردمندوں بیکسوں کے دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ سب سے موم ہو خارا

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یارانِ خود آرا

زبانِ حال سے فریاد تھی یہ اہلِ تمکیں کی
کرے تنظیم جہاں را حافظ ولے عرش را دارا

فغانِ زریں سحر فن دلکش مسانِ آفتِ ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغمارا

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلبِ سید کہ اس رُخ پر چلے دھارا

وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے مؤید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبدِ مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا

سنا سب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
اُدھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ انکے ہے پو بارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روزِ روشن میں
فلک نے سرکشوں کو خاکِ ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیرِ مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بجھا کر نورِ دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

بہت ہے غفلت و ترکِ عمل دنیا میں مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیے پیارا

مدارِ خیرخواہی ترکِ مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہر لائلٹی[۵] کا دم مارا

۵ خیرخواہی۔

ادھر تحریر و [illegible] آپہنچا [illegible]
[illegible]

نتائج پر نظر کب مرد عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ [illegible] گادارا

دو روزہ پالیسی نے استطاعت تقویت دیدی
ادھر [illegible]

[illegible]
[illegible]

حواسِ ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
[illegible]

وہ ٹوٹے۔ یہ گرے۔ وہ پھسلے۔ یہ چپت انکو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دل میں ضبط کا یارا

حریفانِ طرب آگئیں نے چھیڑا سازِ عشرت کو
بچایا سب نے [illegible] دارا دارا

بتوں کے عشق میں پڑہی چکے تھے عقل پر پتھر
مسوں کا بے تکلف چل گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں۔ دردمندوں بیکسوں کے دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ سب تھے موم ہو خارا

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رُکے یاران خود آرا

زبانِ حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکیں کی
کہ اے تنظیم جہاں را حافظ و اے عرش آرا

فغانِ زیں سحر فن دلکش مسانِ آفت ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوانِ یغمارا

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رُخ پر چلے دھارا

وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے مؤید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبد مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا

سنا سب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
اُدھر بازی حریفوں کی کہیں ہاتھ انکے ہے پو بارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن میں
فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بجھا کر نورِ دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

بہت ہے غفلت و ترک عمل دنیا میں مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیے پیارا

مدارِ خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہے لائلٹی کا دم مارا

۵ خیر خواہی۔

غرض دو گونہ عذابست جان مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا
یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو
اگر یہ کہو ہیں وہ بالکل وحوش
جب اڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل
کمی کی نہ اسٹیٹ نے خرچ میں
وہ جنرل کہ دبتی تھی جن سے زمیں
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک

ہے نورِ دلِ بندگانِ خدا
سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش
تو کی قوم نے یادِ ربِ جلیل
دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں
ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں
گرے سجدہ میں پیش اللہ پاک

سرِ پادشاہان گردن فراز
بدرگاہِ او بر زمینِ نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں
اتحادِ دین فقط باقی رہا تھا اب گیا

ہے عقیدوں کا اثر اخلاقِ انساں پر ضرور
اُس جگہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا

پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا

منقلب ہوتے ہیں پیہم طالب العلموں کے کیمپ میں
کورس بھی رخصت ہوا اسکا زمانہ جب گیا

اتحادِ معنوی اُن میں برائے نام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا

بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو
جو اُٹھا بہرِ ہلاکِ ملت و مشرب گیا

اِس سے نفرت اِن کو!! الٰہی مستقل تازی زباں
حیف!! مسلم سے خیالِ مبنی و معرب گیا

مجلسِ دنیا میں کس صف کے بنو گے مستحق
دور ہو اولارڈ سے اور پر تو یا رب گیا

نوکری کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں
ہوش میں آؤ وہ رنگ روز و رنگ شب گیا

غرض دو گونہ عذابست جان مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا
ہے نورِ دلِ بندگانِ خدا
یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو
سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
اگر یہ کہو ہیں وہ بالکل وحوش
تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش
جب اڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل
تو کی قوم نے یادِ ربِ جلیل
کمی کی نہ اسٹیٹ میں خرچ میں
دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں
وہ جنرل کہ دبتی تھی جن سے زمیں
ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک
گرے سجدہ میں پیش اللہ پاک

سرِ پادشاہان گردن فراز
بدرگاہِ او بر زمینِ نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں
اتحادِ دین فقط باقی رہا تھا اب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاقِ انساں پر ضرور
اُس جگہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا
پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا
منقلب ہوتے ہیں ہم طالب العلمونکے گھر میں
کورس بھی رخصت ہوا اُسکا زمانہ جب گیا
اتحادِ معنوی اُن میں برائے نام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا
بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو
جو اٹھا بہرِ ہلاکِ ملت و مشرب گیا
اِس سے نفرت اِن کو!! الٰہی مستقل تازی زباں
حیف!! مسلم سے خیالِ مبنیٔ مذہب گیا
مجلسِ دنیا میں کس صف کے بنو گے مستحق
دور ہو اولارڈ سے اور پہ تو یارب گیا
نوکری کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں
ہوش میں آؤ وہ رنگِ روز و رنگِ شب گیا

سب کا حصہ قوت حالت کے لائق ہے یہاں
بس یہی مطلب تو ہے لب ماں مقصود کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں نیچیرین پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا دین پیدا

وہ تو پیدا نہ ہوا ہاتھ سے لڑکوں کے مگر
ہو چلے دین کی ایذا میں وہ ارمان پیدا

پستی قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر
او چنئے جو نہیں ہونے عقل کے ناخن پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط
جس سے ملت کی ہے اک شان وہ آن پیدا

آج ہوتا نہیں اسکا ضرر انکو محسوس
زور ہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت
کر چلیں گی روشیں نشتر و دندان پیدا

صورت برگ خزاں دیدہ پھرینگے اڑتے
نہ بہار آئیگی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہونگے اطفال بھی بے غیرت کودن پیدا

کاہ کی طرح سے اڑ جائینگے دینی اعمال
اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمت جہل سے گھر جائینگے دل کے اطراف
سینوں میں ہو نہ سکینگے دل روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہ ہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں نیشن کہ بنالیں لڑکے
فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے نیشن پیدا

سلف رسپکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو دو من پیدا

بزم تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بے شک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں
انساں کے لئے کرسچین ہو جانا

سب کا حصہ قوت حالت کے لائق ہے یہاں — بس یہی مطلب تو ہے اے ہمدم [illegible] مقصود کا

پیرو مرشد نے کیا قوم میں نیچیرن پیدا — وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا [illegible] پیدا

وہ تو پیدا نہ ہوا ہاتھ سے لڑکوں کے مگر — ہو چلے وقت کی [illegible] پیدا

پستی قوم کے جب آگئے دن اے اکبر — او [illegible] عقل کے [illegible] پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط — جس سے ملت کی ہے اک [illegible] پیدا

آج ہوتا نہیں اسکا ضرر انکو محسوس — زور ہے ہیں ابھی کچھ لالہ و [illegible] پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت — کر چلیں گی روشیں انتشار [illegible] پیدا

صورت برگ خزاں دیدہ پھرینگے اڑتے — نہ بہار آئیگی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل — ہونگے اطفال بھی بے غیرت کودن پیدا

کاہ کی طرح سے اڑ جائینگے دینی اعمال — اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمت جہل سے گھر جائینگے دل کے اطراف — سینوں میں ہو نہ سکینگے دل روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہ ہو دل سے مطیع — کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر — کون کہتا ہے نہ کر وضع ینگ مین پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ — کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول — راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں — تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی — یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں بسکٹ کہ بنالیں لڑکے — فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے فیشن پیدا

سلف ریسپکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق — پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو دمن پیدا

بزم تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج — حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بے شک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں — انساں کے لئے کرسچین ہو جانا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں | بادۂ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں

نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح | بحر عصیان تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح

سخت نا عاقبت اندیش ہیں شیخ و ملا | قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا

کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہہ درست | تو ہے مجھ سے کبھی زیادہ مگر اس راہ میں سست

کبر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام | دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام

طاعت حق کی ترے قافلے میں گرد نہیں | ہمت مرد نہیں ہے دل پُر درد نہیں

ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف | ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف

تو بھی اُس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم | صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوئے آں زلف چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ سنہ ۱۸[illegible]ء

اے گوہر مخزن ظرافت | وے جوہر معدن لطافت

سرمایۂ انبساط خاطر | تسکین دل و نشاط خاطر

دیباچۂ دفتر فصاحت | عنوان صحیفۂ بلاغت

خلاق معانئ طرب خیز | کشاف رموز عشرت انگیز

ہادی و ادیب و دانش آموز | گوہر افشاں و گوہر اندوز

زینت دہ شاہد تکلم | آئینۂ خندہ و تبسم

سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار | گنجینۂ وعظ و پند و اسرار

اے فخر دہ زبان اردو | وے اوج دہ نشان اردو

رنگینی میں غیرت گلستاں | شوخی میں حریف برق تاباں

کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ | محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں
نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح
سخت نا عاقبت اندیش ہیں شیخ و ملّا
کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہہ درست
کبر و تزئین و تجمل سے انھیں ہے بس کام
طاعت حق کی ترے قافلے میں گرد نہیں
ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف
تو بھی اُس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم

بادہ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں
بحر عصیان تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح
قوم پر بادہ دنی جہالت ہے کھُلا کھُلا
تو ہے مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست
دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام
نفس سرد نہیں ہے دل پُر درد نہیں
ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف
صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوئے آں زلف چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ ۱۸۷۸ء

اے گوہر مخزن ظرافت
سرمایۂ انبساط خاطر
دیباچۂ دفتر فصاحت
خلاقِ معانیٔ طرب خیز
ہادی و ادیب و دانش آموز
زینت دہِ شاہد تکلم
سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار
اے فخر دہ زبان اردو
رنگینی میں غیرت گلستاں
کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

وے جوہر معدن لطافت
تسکین دل و نشاط خاطر
عنوانِ صحیفۂ بلاغت
کشاف رموز عشرت انگیز
گوہر افشاں و گوہر اندوز
آئینۂ خندہ و تبسم
گنجینۂ وعظ و پند و اسرار
وے اوج دہِ نشان اردو
شوخی میں حریف برق تاباں
محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

اُٹھنے میں نگاہِ چشمِ جادو
ہے چلنے میں حریفِ تیغِ ابرو

مفتاحِ خزینۂ تصور
نقاشِ نگینۂ تصور

کہنا اسے شمع کب روا ہے
اوصاف میں شمع سے سوا ہے

وہ چہرہ نمائے بزمِ صورت
بے پردہ برافگنِ حقیقت

ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے
تاہم سرِ گرمِ گفتگو ہے

رعنا و لطیف و شوخ و بے باک
سرگرم و حریف و چست و چالاک

مشاطۂ شاہدِ معانی
بانی بنائے خوش بیانی

پیچیدگیوں میں حرف زن ہے
شانہ کشِ گیسوئے سخن ہے

آزادی کا فخر اسے اگر ہے
یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے

یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے
بے قید ہر ایک سو رواں ہے

وہاں طبع کو زور لاتخف ہے
دقت تو جو ہے وہ اس طرف ہے

زنجیرِ خرد کی پابندی
با قاعدہ شرحِ دردمندی

تارِ نظرِ حسود و بد کیش
ہر گام پہ مثلِ دام درپیش

کوتہ نظرانِ پست فطرت
سرگرم شرارت و عداوت

واں شاخِ شجر پہ ہے ترانہ
یاں دیدۂ دامِ آشیانہ

کیونکر نہ ہو ادعائے اعجاز
کھولے ہیں قفس میں بال و پرواز

کی سیرِ دو عالم اک نفس میں
پھر دیکھیے تو اسی قفس میں

دریا قطرے میں موج زن ہے
غنچے میں بہارِ صد چمن ہے

ہے نوکِ سناں پہ نقش پرداز
رقصاں دمِ تیغ پر بصد ناز

شعلوں کے ہجوم میں سمندر
امواج میں ماہی تو ہی پرہ

کیا کثرتِ خار سے خطر ہے
یاں روشِ نسیم پر سفر ہے

اُٹھنے میں نگاہِ چشم جادو
چلنے میں حریف تیغ ابرو

مفتاح خزینۂ تصور
نقاشِ نگینۂ تصور

کہنا اسے شمع کب روا ہے
اوصاف میں شمع سے سوا ہے

وہ چہرہ نمائے بزم صورت
بے پردہ برافگنِ حقیقت

ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے
تاہم سرِ گرم گفتگو ہے

رعنا و لطیف و شوخ و بے باک
سرگرم و حریف و چست و چالاک

مشاطۂ شاہدِ معانی
بانی بنائے خوش بیانی

پیچیدگیوں میں حرف زن ہے
شانہ کشِ گیسوے سخن ہے

آزادی کا فخر اُسے اگر ہے
یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے

یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے
بے قید ہر ایک سو رواں ہے

وہاں طبع کو زورِ لاتخف ہے
دقت تو جو ہے وہ اس طرف ہے

زنجیر خرد کی پائے بندی
باقاعدہ شرح دردمندی

تارِ نظرِ حسود بد کیش
ہر گام پہ مثل دام درپیش

کوتہ نظرانِ پست فطرت
سرگرم شرارت و عداوت

واں شاخِ شجر پہ ہے ترانہ
یاں دیدۂ دام آشیانہ

کیونکر نہ ہو ادعائے اعجاز
کھولے ہیں قفس میں بال و پرواز

کی سیر دو عالم اک نفس میں
پھر دیکھئے تو اسی قفس میں

دریا قطرے میں موج زن ہے
غنچے میں بہارِ صد چمن ہے

ہے نوکِ سناں پہ نقش پرداز
رقصاں دمِ تیغ پر بصد ناز

شعلوں کے ہجوم میں سمندر
امواج میں ماہی توی پر

کیا کثرتِ خار سے خطر ہے
یاں دوشِ نسیم پر سفر ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل

مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی
محدود ہوں شوخیاں زباں کی

دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
ہشیار رہو چلو بہک نہ جاؤ

دریائے خیال موج زن ہے
وقفِ یزدان و اہرمن ہے

ہے شارعِ عام حق و باطل
ناظر اسکی ہے فکرِ عاقل

گذرے جو خیال بد بلا کد
بازوئے خرد سے بس کرو رد

باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو

خاموش بس اے زبانِ خامہ
منظورِ نظر ہے ختم نامہ

ہر چند یہ عالمِ سخن ہے
یاں فیضِ ازل ضیا فگن ہے

ہر گوشے میں وسعتِ فلک ہے
ہر ذرہ میں مہر کی چمک ہے

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
ایک اک میں گلِ سخن ہزاروں

ہر برگِ گلِ سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ

نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں
حیرت ایسی کہ نورِ عرفاں

ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں

ہر خم میں شرابِ ارغوانی
یعنی رنگینیٔ معانی

اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
سینہ بن جائے مخزنِ راز

وہ راز کہ دل ہو محوِ مستی
مائل ہو سوئے سخن پرستی

ہو طول جو سلسلہ سخن کا
ہمسر ہو زلفِ پرشکن کا

پر طولِ بیاں سے فائدہ کیا
اس صرفِ زباں سے فائدہ کیا

بس بس اب روک لے زباں کو
کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو

ہو کر آمادہ جان و دل سے
ہو محوِ دعا زبان و دل سے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل　　لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل

مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی　　محدود ہوں شوخیاں زباں کی

دل میں جو آئے بک نہ جاؤ　　ہشیار چلو بہک نہ جاؤ

دریائے خیال موج زن ہے　　وقفِ یزدان و اہرمن ہے

ہے شارعِ عام حق و باطل　　ناظر اسکی ہے فکرِ عاقل

گذرے جو خیال بد بلا کد　　بازوے خرد سے بس کرو رد

باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو　　کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو

خاموش بس اے زبانِ خامہ　　منظورِ نظر ہے ختم نامہ

ہر چند یہ عالمِ سخن ہے　　یاں فیضِ ازل ضیا فگن ہے

ہر گوشے میں وسعتِ فلک ہے　　ہر ذرہ میں مہر کی چمک ہے

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں　　ایک اک میں گلِ سخن ہزاروں

ہر برگِ گلِ سخن میں سو رنگ　　ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ

نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں　　حیرت ایسی کہ نورِ عرفاں

ہر سمت ہزار میکدے ہیں　　ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں

ہر خم میں شرابِ ارغوانی　　یعنی رنگینیٔ معانی

اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز　　سینہ بن جائے مخزنِ راز

وہ راز کہ دل ہو محوِ مستی　　مائل ہو سوئے سخن پرستی

ہو طول جو سلسلہ سخن کا　　ہمسر ہو زلفِ پرشکن کا

پر طول بیاں سے فائدہ کیا　　اس صرفِ زباں سے فائدہ کیا

بس بس اب روک لے زباں کو　　کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو

ہو کر آمادہ جان و دل سے　　ہو محوِ دعا زبان و دل سے

(اودھ پنچ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ)

گفتمش تارکِ مذہب شوم و خوش باشم
منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند

خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دعا ہست دریں محفلِ و دشنامے چند

گفت خاموش کہ دین است مدارِ ملت
ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند

عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

۱۹۰۷ء

برقِ کلیسا

رات اُس مِس سے کلیسا میں ہوا میں جو دو چار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار

زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سُننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سُنکر جسے بلبل جھجکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقویٰ کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسنِ بیاں شوخیِ تقریر میں غرق
ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق

پیشگیا لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی
سر جھکے تمکیں کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اُسوقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایمان ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بنکر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بنکر

(اودھ پنچ - سبحان اللہ سبحان اللہ)

گفتمش تارکِ مذہب شوم و خوش باشم
منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند

خلق را فائدہ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دعا ہست دریں محفل و دشنامے چند

گفت خاموش کہ دین است مدارِ ملت
ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند

عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

سنہ ۱۹۰۷ء

برقِ کلیسا

رات اُس مس سے کلیسا میں ہوا میں دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار

زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سنکر جسے بلبل جھپکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقوی کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسنِ بیاں شوخیِ تقریر میں غرق
ٹرکی و مصر و فلسطیں کے حالات میں برق

لپسکیا لوٹ گیا۔ دلمیں سکت ہی نہ رہی
تھر تھے تمکیں کے جس گت میں وہ گت ہی ہی

ضبط کے عزم کا اسوقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایمان ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بنکر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بنکر

پیر مردِ لطیف و دانشمند
ہنسکے کہنے لگا کہ اے فرزند

پہونچوگے میری عمر کو جس آن
مفت ملجائے گی تمہیں یہ کمان

میں نے اکبر سے کہا آیئے حجرے میں مرے
اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور

چھوڑیے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید
کاٹ ہی دیگا کسی طرح خداوند غفور

بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر
اِسکی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش ڈریس انور کا جو کلیترم میں دیکھا
اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار

معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر
تبدیلِ صورت کے رہے گر یہی اطوار

خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا
شرماؤگے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار

بیگانہ وحشی ہوگی عزیزانِ وطن سے
بنگلے میں نہاں ہوگے کہیں چھوڑ کے گھربار

فاتح سے مساوات کی اٹھیں گی امنگیں
وہ زیست جو آساں تھی ہو جائیگی دشوار

آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہوگے
ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار

آخر کو رہوگے نہ ادھر کے نہ ادھر کے
انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار

انور نے کہا صل علیٰ واہ بہت خوب
شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار

لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں
اسکو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار

ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار

ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور
اسکے بھی بجا ہونے کا مجھکو نہیں اقرار

باطن سے ہے اخلاقِ حمیدہ کا تعلق
فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا نہ زنہار

اوضاعِ زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار

ہے جسکو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور
ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار

مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
یا ہیٹ و آور کوٹ ہو یا جبہ و دستار

مشتبہ میرے اس قول کی صحت میں اگر ہو
سُن لیجیے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

پیر مردِ لطیف و دانشمند
ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
پہونچوگے میری عمر کو جس آن
مفت مل جائے گی تمہیں یہ کمان

میں نے اکبر سے کہا آیئے حجرے میں مرے
اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسبِ دستور
چھوڑیئے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید
کاٹ ہی دیگا کسی طرح خداوند غفور
بولا جھنجلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر
اسکی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش ٹرس انور کا جو کلیہ ترم میں دیکھا
اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر
تبدیلِ صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا
شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ وشی ہو گی عزیزانِ وطن سے
بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھر بار
فاتح سے مساوات کی اٹھیں گی امنگیں
وہ زیست جو آساں تھی ہو جائیگی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے
ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ ادھر کے
انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار
انور نے کہا اصل علی واہ بہت خوب
شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں
اسکو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور
اسکے بھی بجا ہونے کا مجھکو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاقِ حمیدہ کا تعلق
فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا نہ زنہار
اوضاعِ زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے جسکو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور
ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
یا ہیٹ ہو اور کوٹ ہو یا جبہ و دستار
مشتبہ مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو
سن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

ناخوش جو ہوا میں اپنی بے قدری پر ۔ اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف ۔ افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر ۔ مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں ۔ نہ جائینگے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تمکو اک فرضی لطیفہ ۔ کیا ہے میں نے جسکو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے ۔ کہ بیٹا تو اگر کرلے ام۔ اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے ۔ بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی ۔ کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت ۔ کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے ۔ ہرن پہ لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی ۔ مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود ۔ نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ ۔ تو استعفا مرا باحسرت و یاس

اگرچہ پولیٹکل بحث میں ہوئے ہیں شریک ۔ جناب پنڈت بے چند و بابو آشوتوش
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس مد میں ۔ سمجھ گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند ۔ گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کرلیا لندن میں عقد ۔ اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اسنے بگاڑی نسل قوم ۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ ۔ ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو ۔ قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو ۔ سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

ناخوش جو ہوا میں اپنی بے قدری پر
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف
اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود
یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ

مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
نہ جائینگے ولیکن سعی کے پاس
کیا ہے میں نے جس کو زیب قرطاس
کہ بیٹا تو اگر کرلے ایم۔ اے پاس
بلا دقت میں بنجاؤں تری ساس
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرن داس
نہیں منظور مغز سر کا آماس
تو استعفا مرا باحسرت و یاس

اگرچہ پولیٹکل بحث میں ہوئے ہیں شریک
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس مد میں
رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
جناب پنڈت بے چند و بابو آشو توش
سمجھ گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
جھلملاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
قومِ انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
سوپ کاری کے مزے چھوڑ کر یخنی و آش

بفرمایش دختر باتمیز
کہ لکھتا ہوں جسکو وہ اس سے عزیز

لکھی اسنے ہے نظم اک لاجواب
دکھائی ہے شکل روانی آب

جو بہتا ہے پانی میان لوڈور
اُسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور

مناسب جو انگلش مصادر ملے
لگائے گئے اُنکے سب سلسلے

یہ جمعیت افعال کی خوب کی
کہ دریا بھی ہے اور چپ چپ بھی

یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن
کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن

دکھاؤں روانی دریاے فکر
کہ گو ہم شناسوں میں ہو جسکا ذکر

عجب ہے نہیں اُنکی اسپر نظر
کجا میں کجا سودی نامور

سوا اسکے ہیں اور بھی مشکلیں
نہیں سہل اس راہ کی منزلیں

مرے پاس سرمایہ کافی نہیں
وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ایسا مذاق
ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق

اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط
معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جنسے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا بر ملا
غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا

اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا
اکڑتا ہوا اور پھسلتا ہوا

یہ ہٹتا ہوا اور وہ پلٹتا ہوا
ٹھٹکتا ہوا اور جھپٹتا ہوا

روانی میں اک شور کرتا ہوا
رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا

پہاڑوں کے روزن میں کے مسام
یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام

ادھر پھولتا اور پچکتا اُدھر
رخ اس سمت کرتا کھسکتا اُدھر

پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا
چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا

وہ پہلو سے ساحل دباتا ہوا
یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بفرمایش دختر باتمیز — کہ کھتا تھا جسکو وہ دل سے عزیز
لکھی اسنے ہے نظم اک لاجواب — دکھائی ہے تشکیل دریائی آب
جو بہتا ہے پانی میان لوڈور — اُسی کا دکھایا ہے سارا زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — تعقب سے اُنکے سب سلسلے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی — کہ دریا کی بھی ہے ادب بھی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانی دریائے فکر — کہ گو ہر شناسوں میں ہو جسکا ذکر
عجب ہے نہیں اُنکی اسپر نظر — کجا میں کجا سود ہی نا مور
سوا اسکے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ایسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط
موانع یہ ہیں جنسے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
یہ بڑھتا ہوا اور وہ بہتا ہوا — ٹپکتا ہوا اور جھپٹتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں کے روزن میں کے مسام — یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام
ادھر پھولتا اور پچکتا اُدھر — رُخ اس سمت کرتا کھسکتا اُدھر
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

لپکتا ہوا دندناتا ہوا
امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا

چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا
سنبھلتا ہوا اور جھلکتا ہوا

ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا
حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا

تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا
شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا

یونہیں الغرض ہے یہ پانی رواں
بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے کا سیلان آپ لوٹ دور
یہ بحرِ خیالاتِ اکبر[1] کا زور

برق و بخارات کا زور رائے حکیم
کب ہے پئے روح رہِ مستقیم

تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظر
ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح
بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام

بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم
نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام

تعلیم اگر نہیں ہے زمانے کے حسبِ حال
پھر کیا امید دولت و آرام و احترام

سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا
ڈالی بنائے مدرسہ لے کر خدا کا نام

صدمے اٹھائے رنج سہے گالیاں سنیں
لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام

دکھلا دیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ
بتلا دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنے والے کام

نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی
کالج ہوا درست بصد شان و احتشام

سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا
سید کا دل تھا درپئے تکمیلِ انتظام

آخر اٹھا سفر کو وہ مردِ خجستہ پے
احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام

قسمت کی رہبری سے ملی منزلِ مراد
فرماں روائے ملکِ دکن کو کیا سلام

حالت دکھائی اور ضرورت بیان کی
خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام

رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی
پھر کیا تھا موج زن ہوا دریائے فیضِ عام

[1] اصل کھو گئی ہے لڑکوں کے غلط نقلوں کے بعض اجزا بہم پہونچے اُن سے یہ نقل لکھی گئی ۲۶ دسمبر ۹۱ سنہ ۶

ماہانہ دو ہزار کیا اک ہزار سے — امید سے زیادہ عطا تھی یہ لاکلام
اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں — تا حشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام
کیا وقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاج فکر — تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام[۵۱]

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت — نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں
نہ آپ عالمِ برزخ سے مانگتے ہیں مدد — نہ فاتحے کے طریقِ ادا کو مانتے ہیں
نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہیں ہندو — بہ صدق خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں
بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے — وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں
کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے — بدل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں
خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان یا تمکیں — وہ اہلِ بیت کو آلِ عبا کو مانتے ہیں
وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیانِ کرام — فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں
مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے — کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں
پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ — نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں
جواب انھوں نے دیا ہم ہیں پیروِ قرآں — ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں
سند حجازی ہے اپنا کہ نستعین اے دوست — اسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں
اسی کا نام زباں پر ہے حیّ اور قیوم — اسی کی قدرتِ بے انتہا کو مانتے ہیں
یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ — تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں
جواب حضرتِ سید کا خوب ہے اکبر — ہم انکے قول درست و بجا کو مانتے ہیں
ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر — خدا کو اور نہ طریقِ دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں — آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

۵۱ سید صاحب نے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں نظم مندرجہ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

ماہانہ دو ہزار کیا اک ہزار سے
امید سے زیادہ عطا تھی یہ لا کلام

اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
تا حشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام

کیا وقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاج فکر
تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام[۱]

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت
نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں

نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں

نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہ صدق خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں

بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں

کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
بدل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں

خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان یا تمکیں
وہ اہل بیت کو آلِ عبا کو مانتے ہیں

وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیانِ کرام
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں

مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں

پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں

جواب اُنھوں نے دیا ہم ہیں پیروِ قرآں
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں

سند مجازی ہے اپنا کہ نستعین اے دوست
اُسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں

اُسی کا نام زباں پر ہے حیّ اور قیوم
اُسی کی قدرتِ بے انتہا کو مانتے ہیں

یہ بوے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں

جواب حضرتِ سیّد کا خوب ہے اکبر
ہم اُنکے قول درست و بجا کو مانتے ہیں

ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
خدا کو اور نہ طریقِ دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

[۱] سید صاحب نے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں نظم مندرجہ بالا کی تعریف چھاپی ہے ۔

توبہ خویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری — بخدا کہ واجب آمد زتو احتراز کردن

کیا شک ہے آفتاب کے شان وجلال میں — روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی سوتر پس از غروب — لازم ہے غور کیجئے اس مسئلے پہ خوب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا — گوشہ بھی اُٹھ سکے گا نہ شب کی نقاب کا
پوجو گے اُسکو تب بھی وہ پھیرا نہ جائے گا — اُسکو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی — تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحبِ اوج و کمال ہو — کتنا ہی بااثر ہو کہ عالی خیال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملکِ عدم کو کوچ — پھر اُس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
قیوم و حیّ ذات ہے اللہ کی فقط — زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
سُن لو کہ اتباع وادب اور چیز ہے — مطلب کی لیکن آپنے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن — تب یہ بولے مجھسے مسٹر مارلیسن
گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور — مجھسا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر — ہے یہی تو مجھکو رونا ہے بشیر[۱]
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے — اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفلِ نادان غریقِ غفلت ہو کے ذلت میں تن رہے ہیں — سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی جاتی ہیں بن رہے ہیں
بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں — یہ داغ تو ہیں انھیں کے دل پر جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں
بتا فلک نے نہیں ستایا ہے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے — انھیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخِ کہن رہے ہیں
یہ آخری صف میں آگئے والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے — محلِ حسرت ہیں آنکے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں
رہے ہیں جو برگِ حس کے خوگر انھیں ہے کیوں خار آنکا منظر — نگاہ تو ہے انھیں کی منظر جو مستِ دشمن رہے ہیں

[۱] اڈیٹر اخبار البشیر نے لکھا تھا کہ مسلمان پروفیسر مقرر ہوں۔

توبہ خویشتن چہ کردی کہ بہا کنی نظیری	بخدا کہ واجب آمد زتو احتراز کردن
کیا شک ہے آفتاب کے شان وجلال میں	روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی مؤثر پس از غروب	لازم ہے غور کیجئے اس مسئلے پہ خوب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا	گوشہ بھی اٹھ سکے گا نہ شب کی نقاب کا
پوجو گے اُسکو تب بھی وہ پھیرا نہ جائے گا	اُسکو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی	تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحبِ اوج وکمال ہو	کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملکِ عدم کو کوچ	پھر اُس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
قیّوم و حیّ ذات ہے اللہ کی فقط	زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
سن لو کہ اتباع وادب اور چیز ہے	مطلب کی لیکن آپ سے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن	تب یہ بولے مجھسے مسٹر مارسین
گو کہ شہرت ہے تمھاری دور دور	مجھسا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر	ہے یہی تو مجھکو رونا ہے بشیر[1]
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے	اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفلِ ناداں غریقِ غفلت ہو کہ ذلت میں تن رہے ہیں	سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائی جاتی نہیں بن رہے ہیں
بہار ہی سے نہیں ہیں واقف خزاں کے ظلموں کو کیا وہ سمجھیں	یہ داغ تو ہیں انھیں کے دل پر جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں
نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے	انھیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخِ کہن رہے ہیں
یہ آخری صف میں آ گئے ہیں والے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے	محلِ حسرت ہیں انکے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں
رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انھیں ہے کیوں غار آنکا منظر	نگاہ تو ہے انھیں کی مضطر جو ستے دشمن رہے ہیں

[1] اڈیٹر اخبار البشیر نے لکھا تھا کہ مسلمان پروفیسر مقرر ہوں۔

کلیں بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھکر جن کو
تمہارے پاس بھی کچھ ہے کہ جسپہ تمکو ہے ناز

زبانِ خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
کہا اُنھوں نے کہ ہاں لاالہ الا اللہ

نہ وہ بات رہ گئے نہ سر سیّد
ذاتِ محمود سے تسلّی تھی
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
سنگ پا نقشِ احمد و محمود

دلِ احباب سے نکلتی ہے آہ
لی اُنھوں نے بھی آج خلد کی راہ
اے حریصانِ شان و شوکت و جاہ
رہ گیا لاالہ الا اللہ

بنام اڈیٹر رسالہ ید بیضا

علم اسرار دل و حل معما داری
تو چہ حاجت بہ جمالِ سخنِ ما داری

برتر از نظم دکن نظم ثریا داری
حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں نہیں اب تعلیم انگلش ترک نہیں سکتی
وہ ترلہ ترک نہیں سکتا یہ پیچش ترک نہیں سکتی

کسی سے مشرق و مغرب کی سازش ترک نہیں سکتی
بڑے بوڑھوں کی لیکن یہ بھی خواہش ترک نہیں سکتی

مذاقِ قوم بیگانہ نہو اللہ اکبر سے
یہ نقشِ جانفزا مٹنے نہ پائے دلکے دفتر سے

اہلِ یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
خانساماں نے کان میں یہ کہا
پڑھیئے کوئی دعاے اکلِ طعام
تب یہ اشعار حضرت سعدی
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب

چکھی سیّد نے ایک دن کاری
آپ تو علم سے نہیں عاری
دین سے بھی رہے وفا داری
ہوے اُن کی زباں پہ جاری
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ف۱ مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ پڑ کر کاری وغیرہ نعمتیں ہوٹل میں کھائیں۔

گلہیں بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھکر جن کو
زبانِ خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
تمھارے پاس بھی کچھ ہے کہ جس پہ تمکو ہے ناز
کہا اُنھوں نے کہ ہاں لاالہ الا اللہ

نہ وہ بک رہ گئے نہ سر سیّد
دلِ احباب سے نکلتی ہے آہ
ذاتِ محمود سے تسلّی تھی
لی اُنھوں نے بھی آج خلد کی راہ
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
اے حریصانِ شان و شوکت و جاہ
مٹ گیا نقشِ احمد و محمود
رہ گیا لاالہ الا اللہ

بنام اڈیٹر رسالہ ید بیضا

علم اسرار دل و حلّ معما داری
برتر از نظمِ دکن نظمِ ثریا داری
توچہ حاجت بہ جمالِ سخنِ ما داری
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں سے اب تعلیمِ انگلش رک نہیں سکتی
کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
وہ تنزل رک نہیں سکتا یہ پیچش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھوں کی لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی

مذاقِ قوم بیگانہ ہوا اللہ اکبر سے
یہ نقشِ جانفزا مٹنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہلِ یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
چکھی سیّد نے ایک دن کاری
خانساماں نے کان میں یہ کہا
آپ تو علم سے نہیں عاری
پڑھیے کوئی دعائے اکلِ طعام
دین سے بھی رہے وفاداری
تب یہ اشعار حضرت سعدی
ہوئے اُن کی زباں پہ جاری
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
توکہ با دشمناں نظر داری

۱؎ مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ پڈنگ اور کاری وغیرہ نعمتیں ہوٹل میں کھائیں۔

دلو تمہیں کیوں تمہارے ہے یہ خامی
نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی

ابھی تک یادِ حق ہے دل کی حامی
سنو یہ نغمۂ استادِ جامی

ہنوز آں ابرِ رحمت دُر فشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف

تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
کہ کہتی ہے نگاہِ چشمِ عارف

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

رسول اللہ کو دنیا نے مانا
زبانوں پر ہے اب تک وہ فسانہ

نہیں اسلام سے خالی زمانہ
سنو اکبر کا یہ قومی فسانہ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خُم و خمخانہ با مہر و نشان است

ب۔۲

خدا علیگڈھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم
طبیعتوں میں ہے اُنکی جودت دلوں میں اُنکے ہیں نیک ارادے

کمالِ محنت سے پڑھ رہے ہیں کمالِ غیرت سے بڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے اُنمیں کا بیشک ایسا کہ آپ اُسے چاہتے ہیں جیسا
دکھائے محفل میں قدِ رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے

بتوں سے اُنکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
تمام قوت ہے صرف خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلفِ پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالیسی ہے
الکٹرک لائٹ اسکو سمجھیں جو برقِ وش کوئی مسکرا دے

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنامِ تہذیب و دردمندی
یہ کہکے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمہیں خدا دے

انھیں اسی بات پر یقین ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغِ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے

دلو نہیں کیوں تمہارے ہے یہ خامی — نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی
ابھی تک یاد حق ہے دل کی حامی — سنو یہ نغمۂ استادِ جامی

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

برٹش سلطنت کے ہیں عواطف — کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف — کہ کہتی ہے نگاہِ چشم عارف

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

رسول اللہ کو دنیا نے مانا — زبانوں پر ہے اب تک وہ فسانہ
نہیں اسلام سے خالی زمانہ — سنو اکبر کا یہ قومی فسانہ

ہنوز اں ابر رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

خدا علیگڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے — بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے
لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم — طبیعتوں میں ہے انکی جودت دلوں میں انکے ہیں نیک ارادے
کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں — سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے
ہر اک ہے انمیں کا بیشک ایسا کہ آپ اُسے چاہتے ہیں جیسا — دکھائے محفل میں قدر رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے
فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا — قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے
بتوں سے انکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ — تمام قوت ہے صرف خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے
نظر بھی آئے جو زلف پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالیسی ہے — الکٹرک لائٹ اسکو سمجھیں جو برق وش کوئی مسکرا دے
نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنام تہذیب و درد مندی — یہ کہکے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمہیں خدا دے
انھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے — اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے

ہے تجارت واقعی اک سلطنت | زور یورپ کو اسی کا آج ہے

فقط تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

تمہاری اصل حمد اکا کلام واضح ہے | عبث ہے ولولۂ نقلِ قوم تاج ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے | وہی ہے باعثِ عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو؟ مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی | زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

انہیں کے واسطے ہے کاسر و زیبا ہے | انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے | مرے لئے فقط امید حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں | جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے | گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے
زمیں و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق | کہ نائب شہ لندن کی آمد آمد ہے
وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند | ستاروں میں مہ روشن کی آمد آمد ہے
ہیں اُن کے ساتھ میں اتنے اکابر یورپ | کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے
غرض یہ ہے کہ تکمیل زینت و رونق | ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے
کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی | ادھر سے کل ادھر انجن کی آمد آمد ہے
دکھا رہے ہیں ہنر مت خواب مقناطیس | دلوں میں حالت روشن کی آمد آمد ہے
اُمنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے خزانہ | ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے
درود فوج سے ہے زرق برق کا عالم | جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے
چمک ہے کرچ کی ہر سو گمک ہے توپوں کی | چھاچھم اور دنا دن کی آمد آمد ہے
چہل پہل ہے امنگیں ہیں جوش مستی ہے | بہار عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

ہے تجارت واقعی اک سلطنت | زور یورپ کو اسی کا آج ہے

فقط تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پہ تاج ہے

تمہاری اصل حدا کا کلام واضح ہے | عبث ہے ولولۂ نقل قوم فاتح ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے | وہی ہے باعثِ عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی | زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

انہیں کے واسطے ہے کا سرور زیبا ہے | انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے
انھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے | مرے لئے فقط امید حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں | جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے | گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے
رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں یہ شوق | کہ نائب شہ لندن کی آمد آمد ہے
وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند | ستاروں میں مہ روشن کی آمد آمد ہے
ہیں اُن کے ساتھ میں اتنے اکابر یورپ | کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے
غرض یہ ہے کہ تکمیل زینت و رونق | ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے
کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی | ادھر سے نل ادھر انجن کی آمد آمد ہے
دکھا رہے ہیں ہنر مند خواب مقناطیس | دلوں میں حالت روشن کی آمد آمد ہے
اُمنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے خزانہ اُنی | ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے
ورود فوج سے ہے زرق برق کا عالم | جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے
چمک ہے کرچ کی ہر سو کمک ہے توپو نکی | چھا چھم اور دنا دن کی آمد آمد ہے
چہل پہل ہے امنگیں ہیں جوش مستی ہے | بہار عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

برتاؤ اسکا صدق و محبت سے ہے بھرا
اسمیں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے

افکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے متین ہے اہل شعور ہے

راضی ہے اُسپہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہے

کسب کمال کی ہے شب و روز اُسکو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے

لیکن جوان صفات کا مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمایش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دلمیں بھی اسکا اثر کچھ ہے
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اسپر نظر کچھ ہے
حریفوں کی تعلی باعث سوز جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم بھی کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آنکلے ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سبکو گندم و جو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمہیں سے سیکھکر بنتی تھیں عالم مغربی تو میں

شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدر دانی کرتے تھے دلسے

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئینیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانے میں تمہاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سبکا دشمن تھا
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

برتاؤ اسکا صدق و محبت سے ہے بھرا
اسمیں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے

افکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
ہمدرد ہے متین ہے اہلِ شعور ہے

راضی ہے اُسپہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے

کسبِ کمال کی ہے شب و روز اُسکو دھن
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے

لیکن جو اِن صفات کا مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمایش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اُسپر نظر کچھ ہے

اگر کچھ ہے تو سوچو دلمیں بھی اسکا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم ہے تم کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں

تمہیں نے فرق بتلایا تھا سبکو گندم و جو میں
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدردانی کرتے تھے دل سے

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں

تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانے میں تمہاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سبکا دشمن تھا

تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے

کلام خوش کلاماں رنگ با معنی بدلتا ہے
مگر شوق عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون[۱] صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہیئے طرز عمل
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں

میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
پاس گو بیٹھے تھے لیکن اُنکے دلسے دور تھے

ہوا ہے الحاد رنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
ہمیں نے دراس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چپ جو کوئی بولا
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت قوم پر نظر ہے
جو پیشوا تھے وہ ہوں نہ مشرق کیا ہے رنگ و عظ مذہب
کریں ہمیں باخبر ہیں ہر جا نہیں بہر حر چوں میں اسکا چرچا
جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اُسپر بلا یہ طاری
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
خدا کی ساعت ہیں یہاں کی صدا چھپی نہیں ہیں یہی بدیاں

جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں سے ہے خود اب تردد اسکا طبیعت ہاتھ مل رہی ہے
سرو نہیں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
قلوب شیطاں کے متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے
ہمیں نے سمجھا ہے مہد اسکو اسی میں اب نسل پل رہی ہے
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں سنبھل رہی ہے
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کریگی جو گور سید پہ جل رہی ہے

جناب جو ہیں نے اُنسے طریق عمل پہ واعظ
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم

بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجئے
خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجئے

[۱] حال کی تحقیق و تصنیف علمائے یورپ بالخصوص اصل انسان کے باب میں لائق ملاحظہ ہے جسمیں ڈارون کی غلطی بیان کی گئی ہے مصنف

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے
کلام خوش کلاماں رنگ بامعنی بدلتا ہے

زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے
مگر شوق عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش **اکبر** ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارونؒ صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے
میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے

اپنی حالت کے مطابق چاہیئے طرز عمل
اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے

اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں
پاس گو بیٹھے تھے لیکن اُنکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد رنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے

ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چپ جو کوئی بولا
ہمیں سے ہے خود اب تردد اسکا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے

نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت قوم پر نظر ہے
سروں میں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگ وعظ مذہب [uncertain reading]
قلوب شیطاں کے متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

کرچیں باخبر ہیں ہر جا نہیں ہر چرچوں میں اسکا چرچا [uncertain reading]
ہمیں نے سمجھا ہے عہد اسکو اسی میں اب نسل پل رہی ہے

جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اُسپر بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں سنبھل رہی ہے

ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے

خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں چھپی نہیں ہیں ہماری بدیاں
بلائیں آئی ہوئی ہیں آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کریگی جو گور سید پہ جل رہی ہے

کہا جو میں نے اُنسے طریق عمل پہ واعظ
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم

بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجئے
خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجئے

؎ حال کی تحقیق و تصنیف علمائے یورپ بالخصوص اصل انسان کے باب میں لائق ملاحظہ ہے جسمیں ڈارون کی غلطی بیان کی گئی ہے مصنف

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اُٹھ گئی
ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اسکا سبب نہیں ہے سوا اسکے اور کچھ
یعنی کہ اُٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اُسے کیوں ہوئی اسقدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اُسکے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز
دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب برزباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اسمیں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سیّد سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

طبع سمجھی[1] کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیّار۔ محل ہے نازک
اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دارد آں آفت جاں حُسن و جمال عجبے
چشم مست عجبے دارد و خالِ عجبے
او بتاراج دلم مائل و من مائل او
او بہ فکر عجبے من بہ خیالِ عجبے

۱۸۷۸ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھریاں کوئی شے رہ نہیں جاتی
وہ شوکت و شان جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کے ترقی کا چمکتا ہے ستارا[2]
توقیرِ عرب عظمتِ رے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت لفظ نومبر
تزئین رخ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گڈ بائی کا غل مچتا ہے اطرافِ جہاں میں
تسلیم نہیں رہتی ہے سجّے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں
بلبل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کے لئے چھڑتے ہیں نئے ساز
دمسازی احباب کو سے نئے رہ نہیں جاتی

[1] قوم [2] چرخ

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے	مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اُٹھ گئی	ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اسکا سبب نہیں ہے سوا اسکے اور کچھ	یعنی کہ اُٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب	گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اُسے کیوں ہوئی اسقدر کامیابی	کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اُسکے	کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز	دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے	یہاں جتنی انگلش ہے سب بر زباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب	سنو مجھ سے جو رمز اسمیں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سیّد سے نسبت	تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

طبع سمجھی[1] کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے	زلف خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیّار۔ محل ہے نازک	اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دارد آں آفتِ جاں حُسن و جمالِ عجبے	چشمِ مستِ عجبے دارد و خالِ عجبے
او بتاراج دلم مائل و من مائل او	او بہ فکرِ عجبے من بہ خیالِ عجبے

سنہ ۱۸۷۸ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھر یاں کوئی شے رہ نہیں جاتی	وہ شوکت و شانِ جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کے ترقی کا چمکتا ہے ستارا[2]	توقیرِ عرب عظمتِ ر سے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت لفظ نومبر	تزئینِ رخِ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گڈ بائی کا غل مچتا ہے اطرافِ جہاں میں	تسلیم نہیں رہتی ہے سجّے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں	بلبل کے ترانوں میں وہ لَے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کے لئے چھڑتے ہیں نئے ساز	دمسازیِ احباب کو نَے رہ نہیں جاتی

[1] قوم [2] چرخ

مواقع خاص

سنہ ۱۹۰۷ء حسب فرمایش پنچ

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر برڈ[1] کا ۔۔۔ ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہیرورڈ[2] کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظمِ برطانیہ ۔۔۔ سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرتِ اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا ۔۔۔ اب بھروسا حضور پہ نہ رہا
مجھکو چھوڑا امام باڑے میں ۔۔۔ پہونچے خود نیچری اکھاڑے میں
جیب خالی پھرا کیا بندہ ۔۔۔ لے گئے غیر اس قدر چندہ
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا ۔۔۔ کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
بزمِ قومی میں میں شریک ہوا ۔۔۔ جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے ۔۔۔ یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے
جب حکومت کرے خود اسکا ڈفنس ۔۔۔ کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس
مجھکو ہے شوق علم و دانش سے ۔۔۔ کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے
نہ ہوسکیں وہ جو یہ توضیح ۔۔۔ تو میں کردونگا دوسری تشریح
مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف ۔۔۔ دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف
دفتر اعتراض سوختہ بہ ۔۔۔ دہن او بہ چندہ دوختہ بہ

سن رہے تھے سماع مولانا[3] ۔۔۔ اُسی حالت میں انتقال ہوا
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت ۔۔۔ عالمِ وجد میں وصال ہوا

ہزار و نہ صد و شش از جہاں رفت ۔۔۔ بیامد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوحِ خاص و عام ہیں لالہ نہال چند ۔۔۔ در اُنکے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند

لہ طائر ۹۵ لفظ ۹۳ مولانا محمد حسین صاحب ۱۹۱۲ء

چنیت وصول کرنے کو ہیں پیشوا ہمت
لیکن دقیق وسخت جو ہوتا ہے کوئی کام
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
تقریر رشٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا

سب کرتے ہیں مباحث قرآن و وید ژند
اسوقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دردمند
قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبۂ گزند
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ۱۹۱۱ء

سنہ ۱۹۱۱ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا

خلافِ حق چو حریفاں ز راہ میگردند
زفیضِ حکمت او روبراہ میگردند

مکرم است بہ ہندوستاں شہِ کابل
بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

موت جلدی میری مشتِ استخواں کو سونگھ کر
چونک اٹھا اکبر غرض خواب گراں سے او نگھ کر

یہ سمجھنا چاہیے خالق نے جو صحت یہ دی
بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بہ علالت سنہ ۱۹۰۵ء

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دلریش
رکھتے تھے عزیز انکو بیگانہ و خویش

کیا کیا صفتیں تھیں جمع ان میں اکبر
حافظ ۔ حاجی ۔ طبیب ۔ عالم ۔ درویش

طلغرا سفے چوں فرستادی ز راہ لطف و مہر
جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم

بسکہ شوقِ دعوت و اسپیچ در دل داشتم
محفلے ترتیب دادم شمعہا افروختم

خادمِ خاص از پے آوردنت رفتہ بہ ہیل
نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم

چوں شنیدم فسخ کردی عزم ور فتی بہ دریغ
شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعث الم مرض جانگزائے قوم
مدت سے سن رہے تھے علیگڈھ میں ہائے قوم

آخر اودھ نے کالج طبی بنا لیا
شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں
خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں

براہ لطف کرم لائے یہاں تشریف
الہ آباد علیگڈھ سے دور کچھ بھی نہیں

سنہ ۱۹۰۵ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی

جناب وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت — سب کرتے ہیں مباحث قرآن و وید ژند
لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام — اسوقت میں جناب ہی ہوتے ہیں درد مند
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس — قانوں سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ گزند
تقریر رشٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا — ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ۱۹۱۰ء

سنہ ۱۹۱۵ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا

خلافِ حق چو حریفاں ز راہ میگردند — ز فیضِ حکمت او و براہ میگردند
مکرم است بہ ہندوستاں شہ کابل — بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

موت چلدی میری مشتِ استخواں کو سونگھ کر — چونک اٹھا اکبر عرض خواب گراں سے اونگھ کر
یہ سمجھنا چاہیے خالق نے جو صحت یہ دی — بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بہ علالت سنہ ۱۹۱۵ء

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دل ریش — رکھتے تھے عزیز انکو بیگانہ و خویش
کیا کیا صفتیں تھیں جمع اُن میں اکبر — حافظ - حاجی - طبیب - عالم - درویش

طلخ اسفے چوں فرستادی ز راہ لطف و مہر — جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم
بسکہ شوقِ دعوت و اسپیچ در دل داشتم — محفلے ترتیب دادم شمعہا افروختم
خادمِ خاص از پے آوردنت رفتہ بہ ریل — نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم
چوں شنیدم فسخ کردی عزم بود فتی بہ تیغ — شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعث الم مرض جانگزائے قوم — مدت سے سن رہے تھے علیگڈھ میں ہائے قوم
آخر اودھ نے کالج طبی بنا لیا — شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں — خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں
براہِ لطف کرم لائیے یہاں تشریف — الہ آباد علیگڈہ سے دور کچھ بھی نہیں

سلہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار سیجا ضلع الہ آباد ۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء

عمدہ مچھلی مسلم و حسنا م ملی ۔۔۔ تحفہ پایا مراد حسن تام ملی
ممنون کریم کیوں نہ ہوں لے اکبر ۔۔۔ وہ دام میں لائے مجھکو بے دام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی ۔۔۔ جھیلا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے ۔۔۔ حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت ۔۔۔ وہ اسکو سمجھتے ہیں لا حول ولا قوۃ
یہ میری غلط بندش وہ اُن کی غلط فہمی ۔۔۔ میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی ۔۔۔ بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات ۔۔۔ کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا ۔۔۔ سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا

شبلی کا قدم علم کی منزل پہ جما ہے ۔۔۔ رفتار پہ آثر کی قلم اُسکا تھما ہے
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اُسکے بیاں سے ۔۔۔ روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو رہ رہ کے جی بھر آتا ہے ۔۔۔ یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہوگئی کیوں میرے دل کی رنگینی ۔۔۔ یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اُداس ہوگئی کیوں روح خانۂ تن سے ۔۔۔ اچاٹ ہوگئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے

بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے ۔۔۔ ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا ۔۔۔ عزیز و دوست جو ہیں سبکو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر ۔۔۔ اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر عزت ہے
پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا ۔۔۔ مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت رخصت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت ۔۔۔ حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے ۔۔۔ یہی سب کی دعا اس دم بصد جوش طبیعت ہے

؎ ڈاکٹر سلیمان صاحب جونپوری۔ بیرسٹر ایٹ لا۔

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار سیجا ضلع الہ آباد ۲۳ دسمبر ۱۹۰۵ء

عمدہ مچھلی مسلّم و خام ملی | تحفہ پایا مراد و خوشتر نام ملی
ممنون کریم کیوں نہ ہوں اے اکبر | وہ دام میں لائے مجھکو بے دام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی | جھیلا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے | حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت | وہ اسکو سمجھتے ہیں لا حول ولا قوۃ
یہ میری غلط بندش وہ اُن کی غلط فہمی | میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی | بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات | کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا | سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا

شبلی کا قدم علم کی منزل پہ جما ہے | رفتار پہ آثر کی قلم اُسکا تھما ہے
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اُسکے بیاں سے | روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو رہ رہ کے جی بھر آتا ہے | یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہوگئی کیوں میرے دل کی رنگینی | یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اُداس ہوگئی کیوں روح خانۂ تن سے | اچاٹ ہوگئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے

بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے | ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا | عزیز و دوست جو ہیں سبکو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر | اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر عزت ہے
پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا | مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت رخصت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت | حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے | یہی سب کی دعا اس دم بصد جوش طبیعت ہے

ڈاکٹر سلیمان صاحب جونپوری۔ بیرسٹر اٹ لا۔

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ | پیرانِ مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سخنور آشنِ کلامِ اکبر
اِن موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یادِ استاد کا گُر ہے
جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
چندے کی تحصیل ہے جاری

قوم پہ غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے
عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چولی
خوب کھلی ہے برج میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہوگئی مِس کی
اگلی دنیا دھر سے کھسکی
خوب پیئے اب شوق سے وِہسکی
بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے
جاڑوں کا موسم بھولے بھالے
چندہ دیکر پھنسنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیضِ عام کے خواہاں

مدعیانِ رونقِ دیں ہیں
واقفِ فن و ہنر سے نہیں ہیں
لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ[۱] کھونا کیا ہے
اِن باتوں سے ہونا کیا ہے
شورہ زمیں میں بونا کیا ہے

[۱] میں نے قصداً اصلی تلفظ سے رجوع کیا ہے۔

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ | پیرانِ مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سخنور آتش کلام اکبر
اِن موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یادِ اُستاد کا گُر ہے
جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
دلکش ہر اسپیچ کا سر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
چندے کی تحصیل ہے جاری

قوم پہ غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے
عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چولی
خوب کھلی ہے برج میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مس کی
اگلی دنیا دھر سے کھسکی
خوب پئے اب شوق سے وِسکی
بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے
جاڑوں کا موسم پھولے پھالے
چندہ دیکر پھنسنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیضِ عام کے خواہاں

مدعیانِ رونقِ دیں ہیں
واقفِ فن و ہنر سے نہیں ہیں
لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ[1] کھونا کیا ہے
اِن باتوں سے ہونا کیا ہے
شورہ زمیں میں بونا کیا ہے

[1] میں نے قصداً اصلی تلفظ سے رجوع کیا ہے۔

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے	ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے
اس سے بگڑتی ہے قومی حالت	جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت
کہتے ہو ہو گی جو ہے جمعیت	ہو گا میل بڑھے گی الفت
تڑپو گے جتنا جال کے اندر	جال گھسے گا کھال کے اندر
کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر	غور کرو اس حال کے اندر
کام بہت ہیں لوکل و ذاتی	ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
مفت میں بچوں کو کر کے براتی	قوم کی گاتے ہیں بھائی وفاتی
کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے	دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے
لیکن یہ ارشاد خرد ہے	بھائی ہر شے کی اک حد ہے
آزادی کی پی کے برانڈی	آپ چلاتے ہیں ڈنڈا پانڈی
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی	مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی
بزم عزا میں کیوں نہ ہو شرکت	جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت	قلب کو جس سے پہونچے فرحت
یہ بے معنی مجلس کیسی	یہ ناحق کی گھس گھس کیسی
یہ بے حکم کی آفس کیسی	بات یہ سٹرم پوئیس کیسی
ہو گیا عقل میں کون اضافہ	خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ	پایا بس خوش رنگ لفافہ
قوم سے اسکی گاڑھی کمائی	آپ نے فقرہ دے کے اڑائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی	شاہ لندن تیری دہائی
دوڑاؤ تدبیر کے ریشے	قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
صناعی کے چلاؤ تیشے	تاکہ کٹیں افلاس کے بیشے

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے — ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے

اس سے بگڑتی ہے قومی حالت — جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت
کہتے ہو ہو گی جو ہے جمعیت — ہوگا میل بڑھے گی الفت

تڑپو گے جتنا جال کے اندر — جال گھسے گا کھال کے اندر
کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر — غور کرو اس حال کے اندر

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی — ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
مفت میں بچوں کو کرکے براتی — قوم کی گاتے ہیں بھائی وفاتی

کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے — دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے
لیکن یہ ارشادِ خرد ہے — بھائی ہر شئے کی اک حد ہے

آزادی کی پی کے برانڈی — آپ چلاتے ہیں ڈنڈا پانڈی
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی — مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی

بزمِ عزا میں کیوں نہ ہو شرکت — جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت — قلب کو جس سے پہونچے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی — یہ ناحق کی گھس گھس کیسی
یہ بے حکم کی آفس کیسی — بات یہ ستر م پوئیس کیسی

ہو گیا عقل میں کون اضافہ — خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ — پایا بس خوشرنگ لفافہ

قوم سے اسکی گاڑھی کمائی — آپ نے فقرہ دے کے اڑائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی — شاہِ لندن تیری دہائی

دوڑاؤ تدبیر کے ریشے — قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
صناعی کے چلاؤ تیشے — تاکہ کٹیں افلاس کے بیشے

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجیے
اس فصل میں جو بھیجیے بس آم بھیجیے

ایسے ضرور ہوں کہ انھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجیے

معلوم ہی ہے آپکو بندے کا ایڈرس
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجیے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجیے

مرثیہ

دھرمپور آج کیوں اس درجہ وقفِ حسرت و غم ہے
یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شورِ ماتم ہے

الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
کہ جسکو دیکھیے مغموم ہے با چشم پر نم ہے

یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگ ناگہانی پر
گری برق اجل بے وقت کسکی نوجوانی پر

کنور عبد العزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
گل باغ ریاست دہر اک کی آنکھ کا تارا

اُسے دورِ فلک نے ناگہاں تیرِ اجل مارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا

تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دلِ احباب محزوں ہے

تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
ابھی ہے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے

اُمنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے

ابھی یہ دیکھیے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
جنازہ اُٹھ رہا ہے اہتمامِ گور و مدفن ہے

رہو خاموش اکبر شورِ فریاد و فغاں تا کے
یہ آہِ آتشیں یہ قصۂ سوزِ نہاں تا کے

سمجھ لو خود تمھیں کب تک یہ غم کی داستاں تا کے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغِ جدائی سے

۲۹۲ ۱۰۲۳ ۱۳۱۵ھ

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجیے
ایسے ضرور ہوں کہ تحفہ انہیں کہلا سکوں
معلوم ہی ہے آپکو بندے کا ایڈرس
ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں

اس فصل میں جو بھیجیے بس آم بھیجیے
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجیے
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجیے
تعمیل ہو گی پہلے مگر دام بھیجیے

مرثیہ

دھرمپور آج کیوں اس درجہ وقف حسرت و غم ہے
الٰہی کیا قیامت آ گئی ہے کیا یہ عالم ہے
یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگ ناگہانی پر
کنور عبد العزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
اُسے دور فلک نے ناگہاں تیر اجل مارا
تلاطم ہے ریاست میں غریزوں کا جگر خوں ہے
تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
اُمنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
ابھی یہ دیکھئے آہ دیکا ہے شور و شیون ہے
رہو خاموش اکبر شور فریاد و فغاں تاکے
سمجھ لو خود تمھیں کبتک یہ غم کی داستاں تاکے

یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شور ماتم ہے
کہ جسکو دیکھئے مغموم ہے با چشم پر نم ہے
گری برق اجل بے وقت کسکی نوجوانی پر
گل باغ ریاست دہر اک کی آنکھ کا تارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دل احباب محزوں ہے
ابھی ہے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے
جنازہ اٹھ رہا ہے اہتمام گور و مدفن ہے
یہ آہ آتشیں یہ قصۂ سوز نہاں تاکے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تاکے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغ جدائی سے

۲۹۲ — ۱۰۲۳ — ۱۳۱۵ھ

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری
کہ سامانِ معیشت جنسِ ادنیٰ بھی ارزاں ہے

طلسمِ تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا
زبانِ تار پر وہ بات ہے جو لب میں پنہاں ہے

شبِ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبالِ قیصر کا
کہ ہر ذرہ نگاہِ دزد میں مہرِ درخشاں ہے

رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں
ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے

محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثالِ درِ غلطاں ہے

پریس کو بھی ہے عہدِ امپریس میں کامل آزادی
زبانِ خامۂ مضموں نگاراں سیفِ براں ہے

توجہ ہے مفیدِ عام کاموں کی طرف سب کی
کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے

شفاخانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے

خلوصِ صدقِ دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی
کہ یا رب جب تلک یہ گردشِ گردونِ گرداں ہے

فروغِ مہر و مہ سے جب تلک یہ زینتِ عالم
نشاط انگیز جبتک انتظامِ باد و باراں ہے

دلِ اہلِ جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا
ہوائے آرزو جبتک محیطِ قلبِ انساں ہے

خدا کے نام کی عزت ہے جبتک اہلِ دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغِ راہِ عرفاں ہے

ہماری حضرتِ قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جنکا آفتابِ عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدا اے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے
خلائق سے تمہیں خوش آنکو تم پر مہرباں رکھے

کرے مملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے
تمہارے دفترِ دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں ہیں ہم اور نورِ نظر لندن میں ہے
سینۂ پر غم ہے یاں لختِ جگر لندن میں ہے

دفترِ تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آں نونہالِ خوبی نادیدہ دو ہفتہ من
در نونہارِ عمرش رفت از فضائے ہستی

پیمانۂ مئی عمر سرشار دیدہ شم کرد
رفتم بسیرِ مزارش در بیخودی و مستی

آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہِ من
با ایں کمالِ رفعت جیف است میلِ پستی

۱ یہ تخفیف یا

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری
کہ سامانِ معیشت جنسِ ادنیٰ بھی اب ارزاں ہے

طلسمِ تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا
زبانِ تار پر وہ بات ہے جو لب میں پنہاں ہے

شبِ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبال قیصر کا
کہ ہر ذرہ نگاہِ دزد میں مہرِ درخشاں ہے

رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں
ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے

محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثالِ در غلطاں ہے

پریس[۱] کو بھی ہے عہدِ امپرس میں کامل آزادی
زبانِ خامۂ مضموں نگاراں سیفِ براں ہے

توجہ ہے مفیدِ عام کاموں کی طرف سب کی
کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے

شفاخانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے

خلوصِ صدقِ دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی
کہ یارب جب تلک یہ گردشِ گردونِ گرداں ہے

فروغِ مہر و مہ سے جب تلک ہے زینتِ عالم
نشاط انگیز جبتک انتظامِ باد و باراں ہے

دلِ اہلِ جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا
ہوائے آرزو جبتک محیطِ قلبِ انساں ہے

خدا کے نام کی عزت ہے جبتک اہلِ دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغِ راہِ عرفاں ہے

ہماری حضرتِ قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جبتک آفتابِ عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدا اے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے
خلائق سے تمہیں خوش انکو تم پر مہرباں رکھے

کرے مملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے
تمہارے دفترِ دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں ہیں ہم مگر نورِ نظر لندن میں ہے
سینہ پر غم ہے یاں لختِ جگر لندن میں ہے

دفترِ تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آں نونہالِ خوبی ماہِ دو ہفتۂ من
در نوبہارِ عمرش رفت از فضائے ہستی

بیگانۂ می غم سرشار بیہشم کرد
رفتم سرِ مزارش در بیخودی و مستی

آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہِ من
با ایں کمال و رفعت حیف است میلِ پستی

۱؎ یہ تخفیف یا

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
اُدھر سرخی مئے گلگوں کی تھی اِنڈے کی زردی تھی

اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا
ادھر ریشِ سپید اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا[۱] محوِ عشق یزدانی تھے
بھولیں نہ کبھی انھیں محبانِ رسول

بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینتِ عبادِ جہاں
للو پتو سے الگ اور زوائد سے بری
ساز پہ ہاتھ پڑا اور ہوے رخصت آپ
انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب
نج کے جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
دوستوں کے لئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
شان اللہ کی ہیں برکت[۲] و اسرار[۳] و مجید[۴]
فیض آن کا سببِ رونقِ عیشِ احباب

پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھلانے والے
بس مصلّے ہی پہ ہیں چھاؤنی چھانے والے
رہ گئے کھول کے منہ بین بجانے والے
رعب حاکم دلِ دنیا پہ بٹھانے والے
اگلے اسلام کی ہیں یاد دلانے والے
رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے
انکے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے
تاج زریں سرِ عشرت[۵] پہ اڑھانے والے
...

۱؎ خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب۔ ۲؎ مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازیپور
۳؎ اسرار حسین خاں صاحب مدار المہام ریاست بھوپال ۴؎ خان بہادر عبدالمجید خاں صاحب مرحوم
۵؎ سید عشرت حسین

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
ادھر سرخی مئے گلگوں کی تھی انڈے کی زردی تھی

اسی مطلع سے بس کرتا ہوں انشا خیال اپنا
ادھر ریشِ سپید اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا[1] محوِ عشقِ یزدانی تھے
بھولیں نہ کبھی انھیں محبانِ رسول

بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
یعنی یہ جیبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینتِ عُبّادِ جہاں
للو پتو سے الگ اور زوائد سے بری
ساز پہ ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب
نیچ کے جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
دوستوں کے لئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
شان اللہ کی ہیں برکت[2] و اسرار[3] و مجید[4]
فیض آن کا سبب رونقِ عیشِ احباب

پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے
بس مصلّے ہی پہ ہیں چھاؤنی چھانے والے
رہ گئے کھول کے منہ بین بجانے والے
رعبِ حاکم دلِ دنیا پہ بٹھانے والے
اگلے اسلام کی ہیں یاد دلانے والے
رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے
انکے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے
تاج زریں سرِ عشرت[5] پہ اڑھانے والے

...

[1] خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب۔ [2] مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازیپور
[3] اسرار حسین خاں صاحب مدار المہام ریاست بھوپال [4] خان بہادر عبد المجید خاں صاحب مرحوم
[5] سید عشرت حسین

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں	مجھکو پری کا شبہ ہوا اُن کو بھوت کا
ہنگام نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا	اسوقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا
مناسب ہے یہی دلبر جو کچھ گذری اُسے سہنا	نہ کچھ قصہ نہ کچھ جھگڑا نہ کچھ سُننا نہ کچھ کہنا
تماشا دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا	اجل کی نیند جب آئے لحد میں جاکے سو رہنا
بُت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندا	ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندا
اُنھیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا	مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیانِ مدعا کرنا
عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا	چشم بد دور آپ کو بجلی گرانا آگیا
سراسر جلوۂ حسن متاع زلف لیلےٰ تھا	تجلی رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا
سمجھے بخئے لوگ جسکو ہمارا اُنھیں کا تھا	کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارہ اُنھیں کا تھا
اب سانس بھی نہ لینگے دبائیں گلا وہ کیوں	ہمکو تو زندگی میں سہارا اُنھیں کا تھا
اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرات خاک کو	اے چرخ اوج پر تو ستارا اُنھیں کا تھا
آزادیوں کے شوق میں اُبھرا تھا دل اگر	اُسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا اُنھیں کا تھا
خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے	غلط امید کے جنگل میں تھکا ماریگا
جانستانی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی	دلستانی کے لئے لات دقا ماریگا
کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا	نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا
کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیال حور سے	کہدو یہ بہتر ہے جھوٹے بسکٹوں کے چور سے
راہ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے	حیف لیلیٰ پہ جو آمادہ کاوش ہو جائے
وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب	ہے حافظ دیں یہ کشمع فکر صائب
رخصت ہو جو علم دیں تو پھر دین بھی جائے	گل ہو جو چراغ ابھی ہو پگڑی غائب
عفو کن یارب اگر تقوی نماند بر قرار	دل بہ پہلو ہست و کارم با شباب افتادہ است
چراغ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست	اسی سے چشم بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھکو پری کا شبہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگام نزع ہوش جو غائب ہوے تو کیا
اسوقت وہ غرور سے تائب ہوے تو کیا

مناسب ہے یہی دلبر جو کچھ گذری اُسے سہنا
نہ کچھ قصہ نہ کچھ جھگڑا نہ کچھ سننا نہ کچھ کہنا

تماشا دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نیند جب آئے لحد میں جا کے سو رہنا

بت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندا
ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندا

اُنھیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیانِ مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بد دور آپ کو بجلی گرانا آگیا

سراسر جلوۂ حسن متاع زلف لیلےٰ تھا
محلِّ رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جسکو ہمارا اُنھیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارا اُنھیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لینگے دوائیں گلا دہ کیوں
ہمکو تو زندگی میں سہارا اُنھیں کا تھا

اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرّات خاک کو
اے چرخ اوج پر تو ستارا اُنھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں اُبھرا تھا دل اگر
اُسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا اُنھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غولِ بیابانی ہے
غلط امید کے جنگل میں تھکا ماریگا

جانستانی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی
دلستانی کے لئے لات وفا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیالِ حور سے
کہدو یہ بہتر ہے چھوٹے بسکٹوں کے چور سے

راہ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جاے
حیف لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جاے

وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب
ہے حافظِ دیں یہ کشمع فکر صائب
رخصت ہو جو علم دیں تو پھر دین بھی جاے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو پگڑی غائب

عفو کن یارب اگر تقوی نماند برقرار
دل بہ پہلو ہست و کارم با شباب افتادہ است

چراغ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست
اسی سے چشم بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

تمہیں سے اٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار	تو پھر بقائے حجابِ رخِ زنان کب تک رہو گے منتظرِ مہر آسمان کب تک
نہ ترے اوتٹ ہو نہ ہو بلڈاگ چال ہے اعتدال کی اچھی	نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ
جس نے دیکھا ہو گیا عاشق	واہ رے صورت واہ رے خالق
فیض کالج سے جوانی رنگیں بالائے طاق وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر	امتحاں پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق کہتے ہیں رکھئے پرائی روشنی بالائے طاق
اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل	روشن نفس نہیں تو جس میں گدازِ دل
کیوں کرنے لگے وہ سمجھ کر خدا سے باتیں میں سجدہ میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ	زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں بیلوں میں وہ کریں خدا سے باتیں
یہی کافی ہے مجھکو اہل ایماں باصفا سمجھیں	نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد بہ سمجھیں
رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور دُر فشانی کی	میں اشک آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اسکو کہتے ہیں
کوئی کہتا نہیں سیاح ہوں فطرت کا ماہر ہوں میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں بنگلے میں	یہیں تک فخر کی حد ہے میں ڈپٹی ہوں میں ناظر ہوں کوئی ہے۔ لاکھ کہئے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں
جو محو ہیں کبر و زینت کے عقبیٰ و خدا سے غافل ہیں	اربابِ بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں
ممکن نہیں ہم انکی کوئی بات ٹال دیں	دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں
طاعتِ حق پر وہ میلانِ دلِ قوم اب کہاں	وہ نمازِ صبحدم خیر من النوم اب کہاں
پتا میرا یہی ہے منزلِ ہستی میں اے اکبر	مریدِ حضرتِ دل ہوں مقیمِ خانۂ تن ہوں
بصارت نے کمی کی انحطاطِ عمر میں اکبر	بصیرت ہے تو آنکھیں مجھے آنکھیں اب چراتی ہیں
مرے سازِ سخن سے پست فطرت کو تنفّص ہے	پیا تو بے تمیز سمجھا گیا بزمِ شغالاں میں
جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے	جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

سلہ غبارہ

تمہیں سے اٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار	تو پھر نقاب حجاب رخ زناں کب تک رہو گے منتظر مہر آسماں کب تک
نہ ترے اور تٹ ہو نہ ہو بلڈاگ چال ہے اعتدال کی اچھی	نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ
جس نے دیکھا ہو گیا عاشق	واہ رے صورت واہ رے خالق
فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر	امتحاں پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق کہتے ہیں رکھئے پرانی روشنی بالائے طاق
اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے راز دل	روشن نفس نہیں تو جس میں گداز دل
کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں میں سجدہ میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ	زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں بیلوں میں وہ کریں خدا سے باتیں
یہی کافی ہے مجھکو اہل ایماں باصفا سمجھیں	نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد برا سمجھیں
رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور دُر فشانی کی	میں اشک آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اسکو کہتے ہیں
کوئی کہتا نہیں سیاح ہوں فطرت کا ماہر ہوں میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں بنگلے میں	یہیں تک فخر کی حد ہے بیٹھ پچی ہوں میں ناظر ہوں کوئی ہے ۔ لاکھ کہئے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں
جو محو ہیں کبر و زینت کے عقبیٰ و خدا سے غافل ہیں	ارباب بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں
ممکن نہیں ہم انکی کوئی بات ٹال دیں	دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں
طاعت حق پر وہ میلان دل قوم اب کہاں	وہ نماز صبحدم خیر من النوم اب کہاں
پتا میرا یہی ہے منزل ہستی میں اے اکبر	مرید حضرت دل ہوں مقیم خانۂ تن ہوں
بصارت نے کمی کی انحطاط عمر میں اکبر	بصیرت ہے تو آنکھیں مجھے اب آنکھیں چھپاتی ہیں
مرے ساز سخن سے پست فطرت کو تنفص ہے	پیا نو پہ مرا سمجھا گیا بزم شغالاں میں
جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے	جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

سلطہ غبارہ

سراسر نور تقویٰ سایہ پر قربان کر آئے
فرق کیا عاشق و واعظ میں بتائیں تم سے

یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زلفوں کے مس لائے
اُسکی حجت میں کٹی اُسکی محبت میں کٹی

یہی فتوائے نیچر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں انکے
ملائیں کسطرح سر صدر پہ نزلہ ہے مذہب کا
مگر قومی اطبا دور ہی کر دیں گے یہ نزلہ

زر انکا زور انکا علم انکا سلطنت انکی
بہت اونچے سروں میں بج رہی ہے اب تو گت انکی
قومی اطفال کو کر دیگی آخر تربیت انکی

تھا شوق ادا سے منصب اک حسن کے ساتھ
دیوانہ بھی قوم عشق میں پریوں کے

اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
پکڑی ہی گئی اور غلام جنات بنی

جب تک ہم میں ہے قومی خصلت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید

بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
بعد اُسکے رہے گی پھر نہ حجت باقی

زاہد کی طبع دیکھ کے اس بت کو جچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دیں میں دل کو چھپا لیا

وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جان بچ گئی

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر
ذات سے انکی مخاطب نہیں فکرِ شاعر

طبعِ مجنوں مری ہے عاشقِ ملت اے دوست
کیوں رو رکھتا ہے ناحق مری غفلت اے دوست

راہِ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
حیف لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے
چل بسے گیسوئے لیلیٰ میں اُلجھنے والے

فتوائے کفر دینا واعظ کی کج بحثی ہے
یہ عشق بت نہیں ہے اکبر کی پالیسی ہے

یہ بزم ساقی عجب جگہ ہے کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہے
حواس و منطق کی عقل گم ہے دلیل حیراں کھڑی ہوئی ہے

خبر دل کی مِس دلخواہ جانے
رہی اب عاقبت کی بحث اکبر
خبر ایماں کی حضرتِ جاہ جانے
سو اسکا حال تو اللہ جانے

شوق شہرت بھی برازر کی بڑی چاہ بھی ہے
ہاں مگر حسنِ محبت زہرہ جبیں آفتِ دیں
نفرت انگیز نظر میں ہوسِ جاہ بھی ہے
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے

کمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے	کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے
حسنِ نور شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی	موسم باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے
بہ چشمِ غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت	وہ اک سیج میں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے
وہ پھنستی ہے قفس میں اور اسکا نام روشن ہے	ہوا پر خیمۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہے
حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے	حیرت انگیز داستاں میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا	میری نہیں بات گو زباں میری ہے
واعظ کا دل بھی سوز محبت سے گرم ہے	چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے
اترائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر	خدا کو مانکر جو دیں وہی اہل کرم اچھے
فیضِ حضرت بہر نمط ہوتا ہے	دل کو عمرے حظ نہیں فقط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح	اور لطف یہ ہے کہ تم غلط ہوتا ہے
مینے اکبر سا بھی وہمی نہیں دیکھا کوئی	کہتا ہے اونکی کمر مجھ کو نظر آتی ہے
مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ	اسکا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ	یعنی نہ نور دل ہے نہ شمع مزار ہے
بوڑھے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے	اپنے لئے الف ہی بس اب قد یار ہے
اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم	میں بھی ہوں شاہ روس کہ دل میرا زار ہے
زندگی سے اب طبیعت سیر ہے	موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
کون و مکاں ظہور جمال حضور ہے	غافل اسیر دامِ فریب شعور ہے
یا امیٹیشن[له] کے صدقے چائے دودھ اور کھانڈ لے	یا اجیٹیشن[ٹه] کے بدلے تو چلا جا مانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی	رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے
دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہے	گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے
جبتک ہے زندہ آرزو مند رہے	جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

له Imitation نقل اتارنا

ٹه Agitation مخالفانہ جوش

بکمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے
کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے

حسنِ نورِ شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی
موسم باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے

بہ چشمِ غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت
وہ اسپیچیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے
وہ پھنستی ہے قفس میں اور اسکا نام روشن ہے
ہوا پر خیمۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہے

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے
حیرت انگیز داستاں میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا
میری نہیں بات گو زباں میری ہے

واعظ کا دل بھی سوز محبت سے گرم ہے
چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے

آڑا ئی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر
خدا کو مانکر جو دیں وہی اہل کرم اچھے

فیضِ حضرت بہر نمط ہوتا ہے
دل کو ہر سے حظ نہیں فقط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح
اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے

مینے اکبر سا بھی وہمی نہیں دیکھا کوئی
کہتا ہے اونکی کمر مجھ کو نظر آتی ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ
اسکا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ
یعنی نہ نور دل ہے نہ شمع مزار ہے

بوڑھے ہوے کتاب سے بوس و کنار ہے
اپنے لئے الف ہی بس اب قد یار ہے
اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم
میں بھی ہوں شاہ روس کہ دل میرا زار ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے
موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
کون و مکاں ظہور جمالِ حضور ہے
غافل اسیر دام فریب شعور ہے

یا امیٹیشن[1] کے صدقے چاہے دودھ اور کھانڈ لے
یا ایجیٹیشن[2] کے بدلے تو چلا جا مانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی
رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے

دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہے
گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے

جبتک رہے زندہ آرزومند رہے
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

[1] Imitation نقل اُتارنا [2] Agitation مخالفانہ جوش

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر	سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقہ دار پریانواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادہ نہ تھا بھروسا	عجب ہے تسلیم و صبر کی خو۔ اگر نہ پیدا ہو ملیں اب بھی عزمیں فسخ ہو گئیں جب۔ عَرَفتُ رَبّی عَرَفتُ رَبّی
تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا	صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی	بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی
شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل	عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی
ہوئی جو عمر اُنکی پچھتر سنی کہ پندرہ میں ہے ایک باقی	عجب ہے نیچر کے اقتضا سے جو رکھے نیت کو نیک باقی
موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی	اُٹھ گیا دل دھر سے دولت نظر سے گر گئی
دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں پہ تمہید بری	کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری
فلسفہ حریف کا دیں کا ہے عدو بنا صبح و شام صدق سے۔ کر دعا کہ رَبَّنَا	اُس طرف ہے کید سخت اور ترا ہے بچپنا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا

متعلق ٹرکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل	کیا جانئے کسکو اُسنے اچھا سمجھا سرکار نے کسکو اُنمیں سچا سمجھا
یدیوم مرے گھر نہ آئے شرابی چھیلا ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھکو	ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتا مے لا
مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا حاکم نے کہا نہ بولو اُسنے ہرگز	بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

اپنے ہی دلکے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمائش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقہ دار
پریانواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسا
عجب ہے تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہوں لیں اب بھی
عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب۔ عَرَفْتُ رَبِّی عَرَفْتُ رَبِّی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو کے میرے سر سے زائل ہو گئی

ہوئی جو عمر انکی مجھسے سنی کہ پندرہ میں ہے ایک باقی
عجب ہے نیچر کے اقتضا سے جو رکھے نیت کو نیک باقی

موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اُٹھ گیا دل وھر سے دولت نظر سے گر گئی

دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں یہ تمہید بری
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دیں کا ہے عدو بنا
اُس طرف ہے کید سخت اور ترا ہے بچپنا
صبح و شام صدق سے۔ کر دعا کہ رَبَّنَا
لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

متعلق ٹرکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
کیا جانئے کسکو آپ نے اچھا سمجھا
سرکار نے کسکو آنمیں سچا سمجھا

بدبو مرے گھر نہ اسے شرابی پھیلا
ہر لحظ طلب شراب کی ہے تجھکو
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتا مے لا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولوا اسے ہرگز
بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
قومی خصلت کا سر سے اٹھایا سایہ
کہتے تھے ولد کو لوگ سرٌّ لابیہ
سرٌّ للماسٹر کا اب وقت آیا

بڑھا پاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں نیا یہ دور ہے ماہی مراتب کا

تیروں نے غم کے قلب کو کیمخت کر دیا
سوزِ دروں نے سینہ کو دم پخت کر دیا

طفلِ دل محوِ طلسمِ رنگِ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آگئی مذہب کو فالج ہو گیا

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ اے سیّد پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوزِ جگر کیا کہنا
ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہ ہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہ ہو

قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائے گا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اُگا اور پھل گیا
بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ آنکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اُچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

کیا شور و فغاں نے میری اسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش ایواں نشد واعظ اسلام را
حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلارام را

جو پاس بھی ہو بصد مصیبت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت
اگر ہو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحاں کا پیسا

پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا
وسعت ہے در علم میں ہے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک پانو نہیں لیکن ہے شکنجا

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
کہتے تھے ولد کو لوگ سرٌّ لابیہ
قومی خصلت کا سر سے اٹھا یا سایہ
سرٌّ للماسٹر کا اب وقت آیا

بڑھا پاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں بنا یہ دور ہے ماہی مراتب کا

تیروں نے غم کے قلب کو کمبخت کر دیا
سوز دروں نے سینہ کو دم پخت کر دیا

طفل دل مسحور طلسم رنگِ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ اے سیّد پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوز جگر کیا کہنا
ایک ہی ذہن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہو

قوم کی تاریخ سے جو بیخبر ہو جائے گا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اگا اور پھل گیا
بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ آنکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گروجی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

کیا شور و فغاں نے میرے اسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش ایواں نشد واعظ اسلام را
حاجتِ مشاطہ نیست روے دلارام را

جو پاس بھی ہو بصد مصیبت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت
اگر ہو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحاں کا پیسا

پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجا
وسعت ہے در علم میں ہے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک پانو نہ لیکن ہے شکنجا

دل چھوڑ کر زبان کے پہلو پہ آپڑے

ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زبان کا

انجم نہیں تو لطف نہیں آسمان کا

ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب

ممکن ہو اگر تو اس کو قائم رکھو

بیگانوں کے واسطے ہے اک حد ادب

عزت کے نشان اور تو مٹ گئے سب

پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع میں

پتھر کے بدلے اب تو دھرم[ف] ٹوٹنے لگا

ناحق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ

محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ

محتاج درِ وکیل و مختار ہیں آپ

آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار

سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ

معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت

اطفال کو ناز ہے۔ مگر قومی آنکھ

ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت

روتی ہے کہ ہے یہ خودکشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات

بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے

افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات

میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

مہمان آئے تو اسکو گھیرو نہ بہت

مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں

اسکی راہوں سے اسکو پھیرو نہ بہت

بھائی مجھے میرا حصہ دے رو نہ بہت

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت

اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی

نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت

ہے طول امل ہنوز شیطاں کی آنت

عزیزوں کی اعانت گم بزرگوں کا ادب رخصت

جو دل بدلا تو سب بدلا خدا رخصت تو سب رخصت

ڈیلی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح

سنسٹر بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو

بابوؤں کی طرح لیکن غل سے کچھ مطلب نہ ہو

دلولے ایسے نہیں محتاج کچھ تصحیح کے

بعد عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح

حامی پبلک بھی ہو ہر رخ جانب کونسل بھی ہو

کر دیں بس توضیح جزو و کل سے کچھ مطلب نہ ہو

کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

ف ہمیں ٹوٹنے لگے

گنبد کے اب قومی گلے کا بار ہو جائینگے یہ
بحث ملکی میں تو پڑنا ہے تری دیوانگی
ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ رای دے

پالسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ
پالسی اُنکی رہے قائم ہماری دل لگی
تم فقط پُتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں می گوید
طبع او فونوگراف است و سرودش سبقش

شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں می گوید
آنچہ بستند برو نقش ہماں می گوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہِ انگلش

یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ایراں را سر جنگ نماند
آغا خندید و گفت رسمے دگر است

آں مردی و آں ہوا و آں رنگ نماند
کامروز برائے ساغرم بنگ نماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا
آنکھ بھینگے کے حوالے کان بہرے کے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر

خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
سودا اسکو ہے جو سدھارا لندن

بنیا بیٹھا ہے موٹھ موتھی لیکر
وہ دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار

کرتا ہوں میں تجھ کو اسکی تنبیہ اکبر
قرآن کو ماں لا تقم فیہ اکبر

کرو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاران بد دیانت بنینگے پھوڑا بغل کے اندر

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

ہیں عیبت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھکو کیوں رشک آئے وضع ملتِ انگریز پر

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی میز پر

گندم کے اب قومی گلے کا ہار ہو جائینگے یہ
پالسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ
بحث ملکی میں تو پڑنا ہے تری دیوانگی
پالسی اُنکی رہے قائم ہماری دل لگی
ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ رای دے
تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں می گوید
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں می گوید
طبع او فوٹوگراف است و سر و تن سبقش
انچہ بستند برو نقش ہماں می گوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہِ انگلش
یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ایراں را سر جنگ نماند
آں مردی و آں ہوا و آں رنگ نماند
آغا خندید و گفت رسمے دگر است
کامروز برائے ساغرم بنگ نماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا
آنکھ پتنگے کے حوالے کان مچھر کے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
بنیا بیٹھا ہے مونٹھ موتھی لیکر
سودا اسکو ہے جو سدھارا لندن
وہ دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
کرتا ہوں میں تجھ کو اسکی تنبیہ اکبر
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار
قرآن کو ماں لاتقم فیہ اکبر

کردو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاران بددیانت بنینگے پھوڑا بغل کے اندر

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

ہیں عیث ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھکو کیوں رشک آئے وضع ملت انگریز پر

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی میز پر

زندہ جس سے ہے بزم قومی
وہ کون ہے حضرت محسن الملک
غنچے کی طرح سمٹ سکے ابھرو
اسوقت کھلے گا مثل گل ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق
کافر و ہندو میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایماں سے
نیچریت تو ہے لپٹی جاں سے

بنامِ خیالاتِ پاٹ آفریں
زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں
جو ایک کرے اُدھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھو کر
یہ کیا اندھیر ہے بجھ لیتے ہیں یہ تپ چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں
یہ صورت حال رہی قائم تو امن کی حاجت گو نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپکو بھی پہچانتے ہیں
کب آپکی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
اے بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل
گو نسل شہاب الدین میں ہو سکن تو تمہارا غور نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
حضرت کو جو فرصتِ ملاقات نہو
بوسے پہ آستان کے شاکر ہوں میں

ہوائے طلبی ہے اب نہ سر میں نہ موج کوثر سراب نظر میں
ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانیر میں

دلچسپ ہوائیں سوئے گلشن پہونچیں
زلفیں شعلے سے تابہ دامن پہونچیں
درگا بائی سے راجہ جی جب روٹھے
صدقے ہونے کو بی نصیبن پہونچیں

جھنجلا کے بولے آتشے جو لپٹا اندھیرے میں
اندھیرا اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

زندہ جس سے ہے بزم قومی
وہ کون ہے حضرت محسن الملک

غنچے کی طرح سمٹ سکے ابھرو
اُس وقت کھلے گا مثل گل ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق
کافر و ہندو میں ہے تھوڑا ہی فرق

کافری کا ہے علاج ایماں سے
تھیٹویت تو ہے لپٹی جاں سے

بنامِ خیالاتِ پاسٹ آفسر میں
زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں
جو ایک کرے اُدھر طبیعت ہی نہیں

اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں

طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں

صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھو کر
یہ کیا اندھیر ہے بجھ لیتے ہیں یہ تب چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں
یہ صورت حال رہی قائم تو امن کی حاجت گو نہیں

تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپکو بھی پہچانتے ہیں
کب آپکی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں

اے بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل
کونسل شہاب الدین میں ہو سکن تو تمہارا غو نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں

حضرت کو جو فرصتِ ملاقات نہو
بوسے پہ آستاں کے شاکر ہوں میں

ہوائے طلبی ہے اب نہ سر میں نہ موج کوثر سرابِ نظر میں
ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانیر میں

دلچسپ ہوائیں سوئے گلشن پہونچیں
زلفیں شملے سے تا بہ دامن پہونچیں

درگا بائی سے راجہ جی جب روٹھے
صدقے ہونے کو بی نصیبن پہونچیں

جھنجلا کے بولے آکسے جو لپٹا اندھیرے میں
اندھیرا اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
ورنہ سائنس پیس ڈالے گا تمہیں
مذہب نے کہا کہ مجھکو چھوڑو گے تو وہ
کیا گود میں اک طرف بٹھا لیگا تمہیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں اور نہ کوئلے کی وہ کان
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوجھا نہیں خودغرض کو آئیں صواب
جتنا چھوڑو گے ہمکو تم ہوگے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حدیں قوموں کی قسمت کیا کرتا ہے یہ توہم
زمانہ دیکھ کر چلئے طریق زندگانی میں
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زبانیں صرف غیبت دل ہیں ڈوبے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا سمجھئے غلام
بولا وہ بت یہ ہنس کے فرنگی نہیں ہوں میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں
تو یہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
سعی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
ویران ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
باقی نہ رہے پھول۔ تو اب پات بھی توڑو

یا کس کے کمر پہ خوشامد باندھو
یا حجرے میں گھس کے بیٹھو تہمد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے لے شیخ
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پاینیر کے صفحۂ اول میں جسکا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
ورنہ سائنس پیس ڈالے گا تمہیں
مذہب نے کہا کہ مجھکو چھوڑو گے تو وہ
کیا گود میں اک طرف بٹھا لیگا تمہیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں اور نہ کوئلے کی وہ کان
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوجھا نہیں خود غرض کو آئیں صواب
جتنا چھوڑو گے ہمکو تم ہوگے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حد ہی قوموں کی قسمت کیا کرتا ہے یہ تحاکم
زمانہ دیکھ کر چلئے طریق زندگانی میں
محبت کسطرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زبانیں صرف غیبت دل میں ڈوبے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا سمجھئے غلام
بولا وہ بت یہ ہند کے فرنگی نہیں ہوں میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں
تو یہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
سعیِ بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
ویران ہوئی کھیتی تو عمارت بھی توڑو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
باقی نہ رہے پھول۔ تو اب پات بھی توڑو

یا کس کے کمر پہ خوشامد باندھو
یا حجرے میں گھس کے بیٹھو تہمد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے لے شیخ
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پانیر کے صفحۂ اول میں جسکا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
ہم لوگوں سے کسب کو پرے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
کھانے کو بھی ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
میں لیٹا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے
نہیں انکو کچھ شرم لاحول قوم
یہ ملی تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
دنیا گزراں ہے سچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو
گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے

تم کہتے ہی محو کج ادائی رہتے
تم پر دل وجاں سے ہم فدائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی اندھے کی لکڑی ہے

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھکو کچھ حیرت نہ ہوگی تمکو ہو جائیگا فخر
کہدو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
مغربی تہذیب میں کسکو میں سمجھوں مستند
اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذر لیکچر ہے ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتو نکو اکبر سیکھ لے
جو وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

جو لوگ طرفدار علیگڈھ کے رہیں گے
اس دور میں بیشک وہی بڑھ چڑھ کے رہینگے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہینگے

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ راز سر بستہ ہے
مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڈھ کالج
گلدان میں مسلمونکا گلدستہ ہے

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
ہملوگوں سے کسب کو پرے رکھا ہے
لیکن ہے اداے شکر ہم پر لازم
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضد سی پڑے ہو گئے
میں لیٹا تو اٹھکر کھڑے ہو گئے
نہیں انکو کچھ شرم لاحول قوم
یہ ملی تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
دنیا گذراں ہے یہ سچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو
گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے

تم کہتے ہی محو کج ادائی رہتے
تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بڑی کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی اندھے کی لکڑی ہے

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھکو کچھ حیرت نہ ہوگی تمکو ہو جائیگا فخر
کہہ دو اک بدمست گورے کو کہ بندہ زادہ ہے
مغربی تہذیب ہیں کسکو میں سمجھوں مستند
اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالیسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذر کچہری ہے ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتوں تکو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آپ بھی کہہ لے

جو لوگ طرفدار علیگڈھ کے رہیں گے
اس دور میں بیشک وہی بڑھ چڑھ کے رہینگے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو کر
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہینگے

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ از سر بستہ ہے
مضموں لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڈھ کالج
گلداں میں مسلمونکا گلدستہ ہے

تل کھیت میں ملجائے تو گودام میں پہنچائیں — کیا فائدہ عارض پہ کسی بت کے جو تل ہے

تنخواہ کے بل سے ہمیں ہوتی ہے مسرت — اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے

قوالی اور رومی کی بھلا کون سنے گا — محفل میں چھپی الفنسٹن اسپنسر و مل ہے[۱]

سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے — کل آج نہ تھا آج کو کل کر نہیں سکتے

الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے — صوفی بھی بہت کود اچھل کر نہیں سکتے

تائید کانفرنس

جمعیت عاقلان قوم اچھی ہے — گلہائے سخن کے باغ کھل جائینگے

کہتا ہے یہ معترض کہ ملتا کیا ہے — کچھ اور نہیں تو دل ہی بہل جائینگے

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور — کیونکر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے

البتہ ایک عرض کرونگا دبی زباں — گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے

دنیا کی ہوا راس جو آئی بھڑک اُٹھے — انگارے ہوے جاتے ہیں اب کول کے کالے

کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی — دل نے کہا بے پوچھے ہوے ڈھکول کے کھالے

تسبیح مری تو ہے عطا کردۂ مرشد — ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مول کے مالے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی — افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے

گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود — مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

بزم اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے — ہر سخن اُسکا لطیف و خوب معنی خیز ہے

بالارادہ اُس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز — ناتواں بیں وہ ہے یا کودن ہے یا انگریز ہے

سخن سازی کی چالوں میں تو تمامہ اُنکا شاطر ہے — مگر جو حالت اصلی ہے وہ پبلک پہ ظاہر ہے

اس زمانے میں جو دل دھرسے پھر جاتا ہے — آدمی پایۂ تہذیب سے گر جاتا ہے

میں کچھ واقف نہیں آرام دہ اب کون بندر ہے — کہ ہیں موہوم امیدوں کا لفظونکا سمندر ہے

معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے — عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے

---

[۱] دونوں مغربی فلاسفر ہیں

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی — ادھر بھی بحث نزاعِ حمید و حامد سے

نئی روشنی اک توکل و ذاتی ترکیب — لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اسکے
لیمپ بجلی کا ہے یہ مہر جہانتاب نہیں — جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے — دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قایم — کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
پارک کوئی کردے گی عطا انکو گورنمنٹ — یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

صورتِ ہزار طائرِ بدلحن سے سنی — کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چونچ جائے
اسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال — یہ تو وہی مثل ہے کہ کاتا ہو کونچ جائے

مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ ہے — جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہے

عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے — حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
اس طرز تربیت پہ ہیں اغنیا رخندہ زن — لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہے

اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق — مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹھاٹ بھی ہے
دریا میں نہیں ہیں جوہرِ تیغ اکبر — گو آب بھی اسمیں دہار بھی کاٹ بھی ہے

پیری نے دانت مجھپہ لگایا ہے گھات سے — بائیں طرف کی ڈاڑھ میں ہے درد رات سے
پارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف — پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ پیچ پات سے

نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے — رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
نہیں دھوکے میں ڈالا ہے مثالِ اہلِ یورپ نے — ادھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے

کہتے ہیں ترک ملت لئے انساں کو بات کیا ہے — (از مذہب) — تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے

خوب فرمایا یہ شاہِ جرمنی نے پوپ سے — وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے
جد امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر — ہمکو اپنے عہد میں پالا پڑا اکینوڈ پیپ سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہوگئے — ہمنفس دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہوگئے

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاع حمید و حامد سے

نئی روشنی اک توکل و ذاتی ترکیب
لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اسکے
لیمپ بجلی کا ہے یہ مہر جہانتاب نہیں
جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے
دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قایم
کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
یا رک کوئی کردے گی عطا انکو گورنمنٹ
یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

صورت ہزار طائر بد لحن سے بسنی
کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چونچ جائے
اسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال
یہ تو وہی مثل ہے کہ کاتا ہو کو بیچ جائے

مسجد کا ہے خیال نہ پروا ہے چرچ ہے
جو کچھ ہے اب تو کالج و لیکچر میں خرچ ہے

عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
اس طرز تربیت پہ ہیں اغنیا رخندہ زن
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہے

اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق
مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹھاٹ بھی ہے
دریا میں نہیں ہیں جوہر تیغ اکبر
گو آب بھی اسمیں دھار بھی کاٹ بھی ہے

پیری نے دانت مجھپہ لگایا ہے گھات سے
بائیں طرف کی ڈاڑھ میں ہے درد رات سے
پارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف
پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ پیچ پات سے

نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے
رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
نہیں دھوکے میں ڈالا ہے مثال اہل یورپ نے
ادھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے

کہتے ہیں ترک ملت انساں کو بات کیا ہے
از مذہب
تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہان توپ سے
جد امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر
ہمکو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے
ہمنفس دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہو گئے

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
لاکھ سمجھاؤں کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں میرے ہمطریق
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادتِ سحر خیزی تھی
انداز و روش میں اک دلاویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شئے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

مہدی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو
لیکن دکھلا دی اس نے بیوٹی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کر دیے کالج میں
پوری کر دی یہ اُس نے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا اُنکا
رہی اک حالتِ فرضی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسا
کہیں گزری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی
غیرت کے ساتھ مذہبی بو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرتِ کرامت[۱] اکبر
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھتا ہے حکمتِ مغرب کا واہ واہ
فطرت بھی اسکو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترکِ عبادات میں مثال بری
شروع ہی نے پکارا کہ ہے یہ فال بُری
جنابِ حضرتِ سیّد پہ کھل گیا ہوگا
کہ ہو ہی جاتی ہے بیقیدیوں سے چال بری
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بری

خواہانِ نوکری نہ ہوں طالبانِ علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہلِ شعور کی

[۱] عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا (حال جج ہائی کورٹ الہ آباد)۔

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی / یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں / لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
انجم وشمس وقمر لیکن ہیں میرے ہمطریق / وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادتِ سحرخیزی تھی / انداز و روش میں اک دلاویزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی / پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی / چاہی تھی شئے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر / پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

ہندی کو برا بھلا جو چاہو وہ کہو / لیکن دکھلا دی اس نے بیوٹی اپنی
لاکھوں ہی کے ڈھیر کردئے کالج میں / پوری کردی یہ اس نے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا انکا / رہی اک حالتِ فرضی ہماری
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسا / کہیں گزری نہیں عرضی ہماری
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر / کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی / غیرت کے ساتھ عمدہ ہی بو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرتِ کرامت[1] اکبر / رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھتا ہے حکمتِ مغرب کا واہ واہ / فطرت بھی اسکو دیکھ کے حیران رہ گئی
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان / دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترکِ عبادات میں مثال بری / شروع ہی نے پکارا کہ ہے یہ فال بری
جنابِ حضرتِ سیّد پہ کھل گیا ہوگا / کہ ہو ہی جاتی ہے بیقیدیوں سے چال بری
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر / عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل وقال بری

خواہانِ نوکری نہ ہیں طالبانِ علم / قائم ہوئی ہے رائے یہ اہلِ شعور کی

[1] عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا (حال جج ہائی کورٹ الہ آباد).

ظرافت

الا یا ایہا الطفلک بجو راہت بہ ناو لہا | کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
بکن ترتیب پائے خود بہ بوٹ ڈاسن و پتلون | کہ سر سید خبردار د ز راہ و رسم منزلہا

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو | شیخ صاحب کو تو لکچر پہ بھی وجد آنے لگا
کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت | جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود انہیں ننگا پیدا | خود ہمنے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے | نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

مس کو دیکھا عاشق زلف چلیپا ہو گیا | مست تھا دل بھول کر وسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا | بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا | اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی | منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی | کودن کو غنت ریود کی فرصت نہیں رہی

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی | مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی | چوہوں کو تان باؤ کی پروا نہیں رہی

اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

سے رئیس جائس وکیل الہ آباد

ظرافت

الا یا ایہا الطفلک بچوراہت یہ نادلہا — کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا

بکن ترزیں پائے خود یہ بوٹ ڈاسن و پتلوں — کہ سر سید خبردار ز راہ و رسم منزلہا

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو — شیخ صاحب کو تو لکچر پہ بھی وجد آنے لگا

کیوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت — جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود اٹھ لگا پیدا — خود ہمنے کیا ازار اور انگا پیدا

کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے — نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

سس کو دیکھا عاشق زلف چلیپا ہو گیا — مست تھا دل پھول کر وسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا — بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا

چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا — اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا

اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی — منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی

لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی — کودن کو غت ربود کی فرصت نہیں رہی

اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی — مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی

دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی — چوہوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی

اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

۵۲ رئیس جائس وکیل الہ آباد

اُسنے یہ مسکرا کے کہا از رہِ مزاح — جینے کی کس نے تمکو بڑھاپے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نود سالہ پیر مرد — اب تک اڑا رہے ہیں در میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ اُن پہ عبث ہے تری نظر — غفلت کا ہے وہ نشہ کہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا — نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جوڑا مانجھا — رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اُسی کی اس صدی میں حضرت — بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چاچھا جاجھا

رحیمن پکاری کہ سید تھا کُوا — عجب جانور ہے یہ کاکا لوا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کہ زن و بچہ کی حالت پہ جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جبسے اُسکو — کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگرسی ہر سو — مر گیا کول کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

نیچر نے دیدیا ہے پٹہ رجولیت کا — کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا — پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پر کھولا تو بس یہی لکھا تھا — کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

انساں[1] نہیں مگر بٹ[2] ہونا اچھا — دل ہونا بُرا ہے پیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار — انساں کو گربجوایٹ[4] ہونا اچھا

۱ بالارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا ۲ چھوٹا ۳ بڑا ۴ سند یافتہ کالج

بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دقتوں میں وہ پھنسا تو اسکو ارز ہو گیا

دیدنی ہے یہ تماشائے مشین انقلاب
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکو ارز ہو گیا

شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
آپ قبلہ بن گئے ہیں اسکو ارز ہو گیا

تخلیئے میں آج میں نے انکا بوسہ لے لیا
دیکھئے ڈگری جو ہو دعویٰ تو دائر ہو گیا

اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پٹواری ہو ں
یارکو شوق حساب مال و سائر ہو گیا

فکر دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی محو قانون و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا

پری کی زلف میں الجھا نہ ریش واعظ میں
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اب انکی بات تو نہ پہ کان دھرتے نہیں ہیں کے
کھنچا ہو دست مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان لیا

مچائی سینے میں اسنے شورش اڑ لے انسے زبان کٹے
میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حقہ ایسا تھا پان ایسا

وہ ہنس کے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کاریگری جو اپنی
کہا تھا شکر ہے میں نے اکدن بنا تو نے آسمان ایسا

عہد اسلام و عہد انگلش میں
پہلے توحید تھی تو اب تحصیل

سنئے قول اکبر سخنگو کا
آگے غل ایک تھا اب ددد کا

پکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے لے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں اُن کے حکم سے سر پھیروں
دل میں مرے اب تو اُنکا ڈر بیٹھ گیا

اُن کو یہ خوشی کہ اب رہے گا یہ غلام
مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
کہتا نہیں کوئی کچھ بھی بڑھ بڑھ کے سوا

پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول بڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیونکر صاحب
اپنے ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب

آسائش عمر کے لیئے کافی ہے
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دقتوں میں وہ پھنسا جو اسکوائر ہو گیا

دیدنی ہے یہ تماشائے مشینِ انقلاب
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکوائر ہو گیا

شیخ صاحب یہ تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
آپ قبلہ بن گئے میں اسکوائر ہو گیا

تخلیے میں آج میں نے اُنکا بوسہ لے لیا
دیکھیے ڈگری جو ہو دعویٰ تو دائر ہو گیا

اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پٹواری ہوں
یار کو شوقِ حسابِ مال و سائر ہو گیا

فکرِ دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی نحوِ قانون و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں
دلِ غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کے لیے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اب انکی باتوں پہ کان دھرتے نہیں ہیں لڑکے
کھنچا نہ ہو دستِ مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان ایسا

مچائی سینے میں اُسنے شورش اڑا لے اُسنے زباں کے ٹکڑے
میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حقہ ایسا تھا پان ایسا

وہ ہنس کے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کاریگری جو اپنی
کہا تھا منکر سے میں نے اکدن بنا تو نے آسمان ایسا

عہدِ اسلام و عہدِ انگلش میں
پہلے توحید تھی تو اب تحصیل

سنئے قولِ اکبرِ سخنگو کا
آگے غل ایک تھا اب دد کا

پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں اُن کے حکم سے سر پھیروں
دل میں مرے اب تو اُنکا ڈر بیٹھ گیا

اُن کو یہ خوشی کہ اب رہے گا یہ غلام
مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
کہتا نہیں کوئی کچھ بھی بڑھ بڑھ کے سوا

پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول بڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیونکر صاحب
اپنے ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب

آسائشِ عمر کے لیے کافی ہے
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

حضرتِ اکبر سے سنکر یہ لطیفہ بزم میں ۔۔۔ سب ہنسے لیکن [illegible]
شیخ جی رخصت ہوئے پھرنے لگے پہلے چرخ پر ۔۔۔ [illegible]

کود تے پھرتے ہیں یہ باغ میں آہو کی طرح ۔۔۔ باغباں دیکھتے ہیں [illegible] کی طرح
ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ بیش ۔۔۔ شب تاریک میں [illegible] کی طرح
آ گئی زلفِ سیاں زلفِ بتاں پر غالب ۔۔۔ [illegible] کی طرح
اکبر اس عہد میں لو صبر و تحمل سے جو کام ۔۔۔ اس سے بہتر ہے کہ غافل رہو بابو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے دھن ۔۔۔ اور شیخ کے گھر میں ہے بھگت کی سب دھن
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے ۔۔۔ گر اس میں بھی [illegible] کی سب دھن

سحر مسلم شکایت یا خدا کرد ۔۔۔ کہ تفسیرش بما دیدی چہا کرد
من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ۔۔۔ کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسم باراں خوش است و خوب ۔۔۔ لیکن چو گوش و چشم دریں فصل وا کنید
مچھر دود کہ گوش بفریاد دیدہ نیز ۔۔۔ بھنگا رسد کہ گوشۂ چشمے بپا کنید

بگو بہ سیٹھ کہ او را بھرم نہ خواہد ماند ۔۔۔ بگو بہ برہمن او را دھرم نہ خواہد ماند
من ارچہ در نظر یار شرمسار شدم ۔۔۔ رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تہمد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر ۔۔۔ پتلوں پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی برہنہ پھرئے اکبر ۔۔۔ شاید پڑ جائے آنکی رغبت کی نظر

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے ۔۔۔ کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
خدا کرے کوئی بت آ کے یہ کہے مجھ سے ۔۔۔ بٹھا بھی لے مجھے گھر میں تجھے مرید بھی کر
جو حسن چکھے مری غزلیں تو لوٹے لا چندہ ۔۔۔ جو پہننا یا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

اس بت کے لئے ہے دہر میں فصل بہار ۔۔۔ اک تخت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہتا ہے اٹھاؤ اسکو یہ ہے مرا عرش ۔۔۔ کہدو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار

اکبر کو یہ سمجھتے ہیں، نے دی خوب صلاح
چلیے تب بنا لیں صاحب امیر شریف

پنڈت نے کہا سبک لنگی میری
ہے قابل داد اگر کریں آپ انصاف
میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ نیش
ہے بار گراں و نیتی تقسیم معاف

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے واقعی نہ پوشیدہ کروں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق [illegible] ہے [illegible] ۱

عالم بنئے تو کیجئے مات کا شوق
مسٹر بنئے تو ہوس دات کا شوق
چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا
مجھکو بھی ہوا ہے اب سی بات کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر گھلا کریں دن بھر رہیں لائے طاق

ہندو تنتے ہیں تھام کر گائے کے سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں بیچ کے ہیٹنگ
لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ ناز
کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں چیچ ڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل
جسکی لاٹھی اسکی بھینس
ہم سے سن لو اسکا کھیل
فعلن فعلن فعلن فعل ۲

اکابر سے حساب دوستانہ نبھ نہیں سکتا
غلط فہمی بہت ہوتی ہے پڑ جاتی ہے مشکل
یہ کہکر پیش کر دے فرد اخراجات اے اکبر
حساب دوستاں در دل حساب ما در بل

کہتی ہے زراہ کبر مجھ سے وہ گرل ۳
کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک ۴ نہ ارل ۵
اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل داشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روبی ۶ یہ پرل ۷

خوشی سے میں نے کئے یہ نفیس آم قبول
ادائے شکر میں اب ہو مرا سلام قبول
نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالب شہرت
اسی سے کرتے ہیں پبلک مرا کلام قبول
زمانہ دیکھئے کہتے ہیں پنڈت ازرہ طعن
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول
وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول
سنی جو ہوں صحبت کم سن کی بول اٹھے آغا
کہ معتبر نہ شماریم تا تمام قبول

۱ سبحان اللہ ۲ یہ مصرع محض اظہار وزن کے لئے ہے قافیہ نہیں ۳ Girl لڑکی ۴ Duke ۵ Earl
۶ Ruby : موتی ۷ Pearl لعل

اکبر کو یہ سمجھئے نے دی خوب صلاح
چلدیجئے بنارسی صاحب امیر شریف

پنڈت نے کہا سبک نشینی میری
ہے قابل داد [illegible] کریں آپ انصاف

میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ نشست
ہے بار گراں و نیز تقصیر معاف

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے [illegible] کروں معاف

انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق [illegible] خرافات[۱]

عالم بنئے تو کیجئے مات کا شوق
مسٹر بنئے تو ہو سوات کا شوق

چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا
مجھکو بھی ہوا ہے اب [illegible] کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر پگھلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق

ہندو تنتے ہیں تھام کر گائے کے سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں بیچ کے ہیٹنگ

لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پہ ناز
کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں بیچ ڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل
ہم سے سن لو اسکا کھیل

جسکی لاٹھی اسکی بھینس
فعلن فعلن فعلن[۲] فعل

اکابر سے حساب دوستانہ نبھ نہیں سکتا
غلط فہمی بہت ہوتی ہے پڑ ہی جاتی ہے مشکل

یہ کہکر پیش کردے فرد اخراجات اے اکبر
حساب دوستاں در دل حسابِ دماں در بل

کہتی ہے ز راہ کبر مجھ سے وہ گرل[۳]
کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک[۴] نہ ارل[۵]

اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روبی[۶] یہ پرل[۷]

خوشی سے میں نے کئے یہ نفیس آم قبول
ادائے شکر میں اب ہو مرا سلام قبول

نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالبِ شہرت
اسی سے کرتے ہیں پبلک مرا کلام قبول

زمانہ دیکھئے کہتے ہیں پنڈت ازرہِ طعن
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول

وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول

سنی جو ہوں تب کم سن کی بول اٹھے آغا
کہ معتبر نہ شماریم تا تمام قبول

۱ سبحان اللہ ۲ یہ مصرع محض اظہار وزن کے لئے ہے قافیہ نہیں ۳ Girl لڑکی ۴ Duke ۵ Earl
۶ Ruby موتی ۷ Pearl لعل

حضرت نے تو چھاونی میں رکھی ہے دکاں
ہم کیوں اپنا محلہ ٹولا چھوڑیں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ[1] کا شایق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہیے کٹلٹ[2] یہ قیمہ کیا کروں

لیتھبرج کی چاہیے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں

کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
پھر میں اپنے سر کو دھیما کیا کروں

ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں

چاند میں آیا نظر غارِ مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

زور پر ہے شہر میں طاعون چارہ کیا کروں
لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں

ہمکو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں
ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

بے سود اشعار اور کبت ہوتے ہیں
مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں

کر پیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
یہ بت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں

پیچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہے کیا علاج
زور منطق سے تو ممکن ہے انھیں ساکت کریں

بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں
ہے فقط یہ مدعا اُن کی کمر ثابت کریں

شیخ جی فربہ تھے اُنکی طبع میں جدت کہاں
مغربی جوہر مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

چپکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں

قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
بنگالی بھائی اُنکا سر کھاتے ہیں

بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر
اُنکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

پورب والے جو چاہیں لیں بھر دیں
جنکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں

بچتے رہو انکی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تیں ٹکڑے کر دیں

---

[1] انگریزی شوربا۔ [2] انگریزی کباب۔

حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دکاں	ہم کیوں اپنا محلہ ٹولا چھوڑیں
خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں	مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں
سوپ کا شایق ہوں یخنی ہوگی کیا	چاہیے کٹلٹ یہ قیمہ کیا کروں
لیتھبرج کی چاہیے ریڈر مجھے	شیخ سعدی کی کریما کیا کروں
کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف	پھر میں اپنے سر کو دھیما کیا کروں
ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر	پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں
چاند میں آیا نظر غارِ مہیب	ہاے اب اے ماہ سیما کیا کروں
زور ہے شہر میں طاعوں چارہ کیا کروں	لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں
نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں	شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں
ہمکو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں	ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں
بے سود اشعار اور کبت ہوتے ہیں	مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں
گر پیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار	یہ چت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں
سچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہے کیا علاج	زورِ منطق سے تو ممکن ہے انھیں ساکت کریں
بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں	ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر ثابت کریں
شیخ جی فربہ تھے انکی طبع میں جدت کہاں	مغربی جوہر مگر بلغم کو چاہیں پست کریں
چھپکوں دنیا سے کس طرح میں	عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں
قومی چندے کدھر سمائیں	کالج نے کہا کہ توند میں ہوں
ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں	بنگالی بھائی انکا سر کھاتے ہیں
بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر	انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں
یورپ والے جو چاہیں دلیں بھر دیں	جنکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو انکی تیزیوں سے اکبر	تم کیا ہو خدا کے تیں ٹکڑے کر دیں

۵۱ انگریزی شوربا۔ ۵۲ انگریزی کباب۔

مچھروں نے بہت ستایا رات — میں نے کوسا کہ ہو تمہیں طاعون
بولے اُس کا ہمارا منبع ایک — کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون

گئے کول حافظ محمد حسین — تو مہدی سے بولی یہ حاجی مدن
کہ کر دیجئے اُن کی دعوت ضرور — وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی — ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
وہ بولے مرا اُنکا کیا جوڑ ہے — میں گلڈنگ ہوں وہ ہیں اسٹیلین

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں — اغیار ان پہ گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث — ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زباں

چند دن ہی کے سوجھتے ہیں اُنکو مضموں — دل شاد ہو اُس سے قوم یا ہو محزوں
لڑکے آنکھیں دیکھکر مچلاتے ہیں دھوم — یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں — اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سید بنتا ہو تو بنو سر سید — ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اُٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں — حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلمان تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا — تھینک یو دیر میں سننے کے لئے کان تو ہیں
خاصداں آکے بٹھاکر مری باتوں پہ کہا — آپ کیوں جان مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
اُن سے ملنے میں ہے ایماں کا نقصاں اکبر — خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں — جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم — اُسکا جو میں ہمزباں نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا — گو میں شرعی جواں نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اُس کی عظمت — اُسکا افسانہ خواں نہیں ہوں

Stallion سلہ Gelding

مچھروں نے بہت ستایا رات — میں نے کوسا کہ ہو تمہیں طاعون
بولے اس کا ہمارا منبع ایک — کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون

گئے کول حافظ محمد حسین — تو مہدی سے بولی یہ حاجی مدن
کہ کر دیجئے ان کی دعوت ضرور — وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی — ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
وہ بولے مرا انکا کیا جوڑ ہے — میں گلڈنگ ہوں وہ ہیں اسٹیلین

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں — اغیار ان پہ گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث — ہے سخت مضر یہ نسخۂ گاؤ زباں

چندوں ہی کے سوجھتے ہیں انکو مضموں — دل شاد ہو اس سے قوم یا ہو محزوں
لڑکے آنکھیں دکھا کر مچاتے ہیں دھوم — یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں — اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سید بنتا ہو تو بنو سر سید — ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں — حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلمان تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا — تھینک یو دیر میں سننے کے لئے کان تو ہیں
خاصدان آکے اٹھا کر مری باتوں پہ کہا — آپ کیوں جاں مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
ان سے ملنے میں ہے ایماں کا نقصاں اکبر — خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں — جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم — اسکا جو میں ہمزباں نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا — گو میں شرعی جواں نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اس کی عظمت — اسکا افسانہ خواں نہیں ہوں

Stallion سے Gelding

شیخ اسد رجہ اناڑی ہے جو گھوڑے پہ چڑھے / باگ گردن میں رکاب اُسکے پھنسی ران میں ہو
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ / بیٹھکیں کر لو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو / اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں / پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

دقیانوسی طریق سے منہ موڑ دو / شیرازہ مذہبی نعمت کا توڑ دو
بھوکے سے کہو کہ حدِ تہذیب میں رہ / آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑ دو

فقط مذہب سے تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو / وگرنہ اور کیا نسبت کجا ولیم کجا کلو

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو / با ہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
ہمکو تو پیرِ طریقت نے یہی دی ہے صلاح / قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گایوں کی ضد پر شیر کو ساجھی کیا / پھر تو مینڈک سے بھی بدتر بنے پایا اونٹ کو
جس پہ رکھا چاہتے ہو ہاتھی اپنی دسترس / منہ میں ہاتھی کے کبھی اپنے بھائی دہ گنا نہ دو

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ / جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
مجھے بھی بھوکے گے کیا رکھ کے خوانِ نعمت پہ / کباب کرتا ہے اب مجھکو انتظارِ پلاؤ

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو / اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہوگے اور مروگے بھی ضرور / کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لیکے کرونگا میں عشق چشم / لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کو

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا / سب ہوئے اندوہگیں خونِ جگر سب نے پیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ / داغِ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ / رکھتا ہوں اک دشمنی بھی تم تم کے ساتھ
ہے عشق حقیقی و مجازی دونوں / قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے حج کی سفارش کیا کروں / نیک کو شیطان کردیتی ہے یہ

شیخ اسد رجہ اناڑی ہے جو گھوڑے پہ چڑھے
باگ گردن میں رکابیں نے پھنسی ران میں ہو
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ
بیٹھکیں کرلو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں
پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

دقیانوسی طریق سے منہ موڑو
شیرازہ مذہبی لغت کا توڑو
بھوکے سے کہو کہ حدِ تہذیب میں رہ
آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑو

فقط مذہب سے تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو
وگرنہ اور کیا نسبت کجا ولیم کجا کلو

۴ بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
باہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
۴ ہمکو تو پیرِ طریقت نے یہی دی ہے صلاح
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گایوں کی ضد پر شیر کو ساجھی کیا
پھر تو مینڈک سے بھی بدتر بنتے پایا اونٹ کو
جس پہ رکھا چاہتے ہو باقی اپنی دسترس
منہ میں ہاتھی کے کبھی اے بھائی وہ گنا نہ دو

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ
جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کے خوانِ نعمت پر
کباب کرتا ہے اب مجھکو انتظارِ پلاؤ

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہوگے اور مروگے بھی ضرور
کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لیکے کرونگا میں عشقِ چشم
لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کو

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
سب ہوئے اندوہگیں خونِ جگر سب نے پیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ
داغِ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ
رکھتا ہوں اک وشنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
ہے عشقِ حقیقی و مجازی دونوں
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے حج کی سفارش کیا کروں
نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ

سائینس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا

توپوں کی بات بھی مذاق ہے بڑی بڑی
اس وقت گو ملکش نے ڈالی ہے کڑ بڑی

کچہریوں میں ہے پرستش گر پچو نیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوی کی

مٹرک پہ ہانک ہے قلیوں کی اور ریٹوں کی
نئی ہے بات تو نقدنا شیخ جی کے بیٹوں کی

مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
ہنگامہ موت بھی ہے اک جشن اکبر

پیمانہ سے نہیں تو افیون سہی
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

لذت نان جویں تمکو مبارک اے شیخ
حضرت خضر ٹکٹ مجھکو دلادیں اکبر

مجھ گنہگار کو ہے صرف تمنجن کافی
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

وحشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج

فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
مولانا سیکھتے ہیں بالفعل تٹی

امور ملکی کی بحث میں تم جو ہندوؤنکے ہوگے ساتھی
نہ اپنا مطلب وہ تمکو دینگے نہ اپنی پوری وہ بانٹ دینگے
مگر وہ سہتے ہیں جو رسمی یہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی
ہر اک کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو تو دل میں
نہ ہوگی حکام کو بھی وقعت جو ہوگی اک جا ہر اک کی خواہش
جو مانگو گے ایک پھل سلم وہ کاٹ کر ایک پھانک دینگے

نہ لاٹ صاحب خطاب دینگے نہ راجہ جی سے ملیگا ہاتھی
پڑیگا موقع جو کوئی آکر تو دونوں ہی تمکو چھانٹ دینگے
ملے جلے ہیں سب سائٹی میں پھر اینٹھ ہم میں گھسو سہی
تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکیگا تمہارے دشمن کہاں بغل میں
ضرورت انکو بھی یہ نہوگی کریں اک سے علیحدہ فش
چلاؤ گے پھر بھی منہ تو سکو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے

آ نکے دست نازنیں سے پائی ٹی[1]
آخر کو ہوئی وہ بات جو تھی ہونی
جو سست تھے ہو گئے ہیں وہ شتر حلیم
مذہب اور مولوی پہ گالی ہولی
دروازۂ منصفی ہے ہمپر کیوں بند

اب کہاں باقی ہے ہم میں پائٹی[2]
مذہب مٹی ہے یا ہے مٹی دھونی
جو تیز تھے بنگئے ہیں پولو پولی
اسپیچ پہ انجمن میں تالی ہولی
ہر بات تو اے جناب عالی ہولی

[1] Tea چائے [2] Piety تقدس

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی خبر بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا

توپوں کی بات بھی مذاق پڑ گئی بڑی
اس وقت گو ملکش نے ڈالی ہے گڑبڑی

کچہریوں میں ہے پرستش گریجویٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی

ہڑک یہ مانگ ہے قلیوں کی اور مٹیوں کی
غذا بس ہے تو فقط شیخ جی کے بھٹوں کی

مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اک جشن اکبر

پیمانہ سے نہیں تو افیون سہی
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

لذتِ نانِ جویں تمکو مبارک اے شیخ
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلادیں اکبر

مجھ گنہگار کو ہے صرف تنجبین کافی
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

وحشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج

فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
مولانا سیکھتے ہیں بالفعل نٹی

امور ملکی کی بحث میں تم جو ہندوؤں کے ہوگے ساتھی
نہ اپنا مکھن وہ تمکو دینگے نہ اپنی پوری وہ بانٹ دینگے
مگر وہ سمجھے ہیں دل میں یہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی
ہر ایک کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو دل میں
نہ ہوگی حکام کو بھی وقعت جو ہوگی اک جا ہر ایک کی خواہش
جو مانگو گے ایک پھل سلطان وہ کاٹ کر ایک پھانک دینگے

نہ لاٹ صاحب خطاب دینگے نہ راجہ جی سے ملیگا ہاتھی
پڑیگا موقع جو کوئی آکر تو دونوں ہی تمکو چھانٹ دینگے
ملے جلے ہیں سوسائٹی میں ہیں ایسے تو ہم میں گھوسی
تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکیگا تمہارے دشمن کہاں بغل میں
ضرورت انکو بھی یہ نہ ہوگی کریں اک سے علیحدہ فش
چلاؤگے پھر بھی منہ تو سکو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے

آ نکلے دستِ نازنیں سے پائی ٹی[1]
اب کہاں باقی ہے ہم میں پائیٹی[2]

آخر کو ہوئی وہ بات جو تھی ہونی
مذہب مٹی ہے یا ہے مٹی دھونی

جو سست تھے ہوگئے ہیں وہ شتر حلیم
جو تیز تھے بن گئے ہیں پولو پونی

مذہب اور مولوی یہ گالی ہو لی
دروازۂ منصفی ہے ہمپر کیوں بند

اسپیچ یہ انجمن میں تالی ہو لی
ہر بات تو اے جناب عالی ہو لی

[1] Tea چائے [2] Piety تقدس

اجل سے بھی نہ ہونگے خائف مزاج سے اپنے ہونگے واقف ۔ اثر لیے گی جو امتناعی تو آپ اپنی دوا کرینگے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے ۔ کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول بندی کے لئے ۔ بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے ۔ اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا ۔ بہرِ خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
چشمِ جہاں سے حالتِ اصلی چھپی نہیں ۔ اخبار میں جو چاہیے وہ چھاپ دیجئے
دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپکو ۔ طولِ شبِ فراق کو تو ناپ دیجئے
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات ۔ انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے
اُس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا ۔ زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھکر اُس مس کو ساکت ہو گئے ۔ ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

نہ کچھ انتظارِ گزٹ کیجئے ۔ جو افسر کہیں بس وہ جھٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے ۔ دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ لیجے
کہاں کا حلال اور کیسا حرام ۔ جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
سکھاتے ہیں تقلیدِ انگلش جو آپ ۔ کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بگڑ جائے گا میم سے سارا کھیل ۔ بس ان لعبتوں پر نہ ہٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے ۔ تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اجل آئی اکبر گیا وقت بحث ۔ اب اِف[1] کیجئے اور نہ بٹ[2] کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے ۔ مزا شربت کا دیجاتی ہے گو وہ پیچ ہوتی ہے

نبض آپ کی ہے سست بدن آپ کا یخ ہے ۔ شاید چلی بیگم سے کسی بات پہ چخ ہے
پہونچا میں فلک پر جو نظر تم نے ملائی ۔ شاید کہیں تکّل ہوں نظر آپ کی نخ ہے
اپنے شجرِ حسن کی وہ خیر منائیں ۔ عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوجِ ملخ ہے

[1] If اگر [2] But لیکن

اجل سے بھی بچ رہینگے خائف مزاج سے اپنے جو ہونگے واقف | اثر کرے گی جو احتیاط تو آپ اپنی دوا کرینگے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے | کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول بندی کے لئے | بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے | اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پانیر آفس میں ہے ڈٹا | بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
چشم جہاں سے حالتِ اصلی چھپی نہیں | اخبار میں جو چاہئے وہ چھاپ دیجئے
دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپکو | طولِ شبِ فراق کو تو ناپ دیجئے
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات | انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے
اُس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا | زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھکر اُس مس کو ساکت ہو گئے | ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

نہ کچھ انتظارِ گزٹ کیجئے | جو افسر کہیں بس وہ جھٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے | دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ لیجے
کہاں کا حلال اور کیسا حرام | جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
سکھاتے ہیں تقلیدِ انگلش جو آپ | کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بگڑ جائے گا میم سے سارا کھیل | بس ان لعبتوں پہ نہ ہٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے | تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اجل آئی اکبر گیا وقت بحث | اب اِف[1] کیجئے اور نہ بٹ[2] کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے | مزا شربت کا دیجاتی ہے گو وہ پیچ ہوتی ہے

نبض آپ کی ہے سست بدن آپ کا یخ ہے | شاید چلی بیگم سے کسی بات پہ چخ ہے
پہونچا میں فلک پر جو نظر تم سے ملائی | شاید کہیں منگل ہوں نظر آپ کی مریخ ہے
اپنے شجرِ حسن کی وہ خیر منائیں | عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج ملخ ہے

[1] If اگر [2] But لیکن

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہے نجات تو ذکرِ حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھکر
منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکرِ خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اڑ چلے

سینۂ مس کا ابھار ہے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان باد انگیز ہے
عدلِ انگلش میں سے تو نیند آرہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورش البتہ جہاد انگیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کے ساتھ ہیں
اسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے
ممکن نہیں ہے مِس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کِس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤگے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھسے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

یاروں کو فکر روز جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انھیں رہ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گذرینگے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت صف بہ صف جاتی ہے
باعود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

اردو کے تیں ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے
یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اردو کی تیں جز یہی صاف صاف ہے

ذوق معنی نہیں تجھے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے آ پھنسے انجن میں
اسمیں بک بک تھی اسمیں بھک بھک ہے

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہٹ نجات تو ذکرِ حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھکر
مُنہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مر چلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکرِ خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اُڑ چلے

سینۂ مِس کا اُبھار اے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان باد انگیز ہے
عدلِ انگلش میں سے تو نیند آرہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورشِ البتہ جہاد انگیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کے ساتھ ہیں
اُسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے
ممکن نہیں اے مِس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کِس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤگے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے تیرا پاس یہی ہے

ہر اک رِمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھسے کہا کہ گوزِ شتر ہے ترا سخن
اُس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

یاروں کو فکرِ روزِ جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انھیں رہِ عیش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پُل
بائیسکل پہ گذرینگے ہم پُل صراط سے

خلقت اسی سمت صف بہ صف جاتی ہے
با عود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نورِ خدا بھی طالبِ رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

اُردو کے تیں ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے
یعنی اُردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اُردو کی تیں جزو ہی صاف صاف ہے

ذوقِ معنی نہیں سمجھے اکبر
شیخ سے چھوٹے آ الجھے انجن میں
سن لے یہ بات اگر تجھے شک ہے
اُسمیں بک بک نہیں ہے بھک بھک ہے

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
بے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے تحقیق
لیکن خوشی ہیبت انتظام آپ کا ہے

مذہب جسکی نظر سے باطل و مہمل ہے
کیونکر نہیں کہوں وہ داخل دم ہے
شائستہ جو ہو تو اسکو پوچھے نہ کوئی
ایسا جو نہ ہو تو آل غرب دم ہے

(آئندہ اردو زبان کا نمونہ)

بابو جی کا وہ نیت ہوا نوکر
غیب سے آس کو پیام دیتا ہے
بابو کہتے ہیں وہ نہ جانے دیگا
میرے اندر ہیں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
اب نبی آخر مسلمانی وہ نہ پتلون سے ۱۰

اب کہاں تک بتکدے میں صرف ایماں کیجئے
تا کجا عشق بتان سست پیماں سیکھئے
ہے یہی بہتر علیگڈہ جا کے سید سے کہوں
مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلماں کیجئے ۱۱

جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم طفلاں سے
تو اب اعراض ہم کیونکر کریں تعلیم نسواں سے ۱۲

۴ انکو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے
۴ جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑینگے

اس اکھاڑے میں اترنے دیکھکر قانون کے
شیخ نے تہمت ہجرت کی طرف پتلون کے

نہیں کچھ گفتگو اسمیں یقیناً شیر ہیں حضرت
بس اتنی بحث باقی ہے یہ جیسا ہی کہ انجن ہے
چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مگر یہ دیکھ لو کتنا ریز کا ہے کہ گردن سے ہے
مدار کار جب ہو اتفاق و عقل و حکمت پر
تو اس سے جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہو مبارک جستجوئے خضر آپکو
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے
اب تو تھیٹر میں ہنسینگے جا کے خوب
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

سلہ ایک مخطو۔ سلہ تحت۔

انکی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بیچین — جس طرح پیٹ میں بیمار کے بادی دوڑے
ہم ہی کے لئے لپکا مری جانب وہ غول — گائے موقع نظر آئی تو قصائی دوڑے

(قطعہ)

مار و کژدم رہ گئے کیڑے مکوڑے رہ گئے — صورتیں تو ہیں مگر انسان ہتھوڑے رہ گئے
خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سدّ راہ — گر گئے سنگ نشاں اٹکیں یہ روڑے رہ گئے
پردہ ور کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں — اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے
شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب — اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر — مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو بُرا اسنے بگاڑے سارے کام — ہم تو اے۔ بی۔ میں رہے اغیار بی۔ اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم — اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ — آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا ہے — دو اور اک ہیں یہ واللہ کی حاجت کیا ہے
پیچھے انجن کے بس اب ہو لیں مسلماں بھائی — اب انھیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے
داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو — پیش درگاہِ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ناک رگڑی برسوں اس ارمان میں — سن لیں میری بات اک دن کان میں[سله]

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس — کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا[سله]
کاش اے اکبر یہی حالت مجھے بھی پیش آئے — اور یہ کافر پکارے در پناہ من بیا

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے — طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے
عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا حاضر عنقریب — ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے

ملتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی — نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی
میں قوم کی فکر ہی کا مشتاق نہیں — بس چاہیئے میری عقل موٹی ہی سہی

نفرت تھی مجھکو بیشک تیتر کے بولنے سے — کہتا تھا اپنے دل میں بیچارہ کیا بُرا ہے

سله واہ کیا ناک اور کان ہے اب یہی شاعری ہے سله نقل کفر کفر نباشد